POSTED ON 14 January 2009 AT DELHI R.M.S. LICENCE NO. U (D.N.) 41/2006-08 TO POST WITHOUT PRE PAYMENT PAGES-8. • قیمت =/Rs 5

Financial Help Available for Popularizing Computer Literacy

**کمپیوٹر تعلیم عام کرنے کیلئے مالی تعاون**

Centre for Studies on Science کمپیوٹر تعلیم عوام تک پہنچانے کے لئے اسکولوں، مدرسوں، غیر سرکاری تنظیموں (NGOs) اور ایسے متحرک افراد کو قومی سطح پر مالی تعاون فراہم کر رہا ہے جو کمپیوٹر لٹریسی کی ہماری قومی مہم میں حصہ دار بننا چاہتے ہیں۔ تعاون کیونکہ محدود ہے اس لئے دلچسپی رکھنے والے افراد یا ادارے جو ملک کے کسی بھی حصہ سے تعلق رکھتے ہوں فوراً رابطہ قائم کریں۔ Coordinator کے نام پہلے آنے والی درخواستوں کو ترجیح دی جائے گی۔

CSOS Computer Literacy Initiative

**Centre for Studies on Science**

Darul Fikr, The Main Road, Iqra Colony, New Sir Syed Nagar, Aligarh-202002, Ph.: 0571- 2401209, E-mail: shabasar@yahoo.com

"اس شخص سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔" (قرآن)

# سہ روزہ دعوت نئی دہلی

ایک فکر انگیز کتاب

**شریعت وطریقت**

مصنف
مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمۃ اللہ علیہ

اس کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام میں تصوف کا آغاز کب سے ہوا اور آج تک اس میں کیا کچھ آمیزشیں ہو چکی ہیں۔ کیا طریقت کے عقائد ونظریات وحدت الوجود اور حلول کا شریعت کے سیدھے سادے عقائد کے ساتھ سمجھوتہ ممکن ہے۔ طریقت کا باطنی نظام کیا چیز ہے اور کیا طریقت شریعت کے تابع ہے؟ ان تمام موضوعات پر سنجیدہ اور ٹھوس علمی وتحقیقی بحث۔ ☆صفحات 528 ☆قیمت -/198

مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن
Maktaba Al-Faheem
1st Floor Raihan MarketDhobia Imli Road
Sadar Chowk MaunathBhanjan (U.P.)275101
Ph: 0547-2222013 (S) 2520197 (R) Mob 9889123129/9236761926

• جلد: ۵۷ • شمارہ: ۶ • ۱۶/جنوری ۲۰۰۹ء • 16 Jan. 2009 • جمعہ • ۱۸/محرم الحرام ۱۴۳۰ھ • قیمت =/Rs.5 • سعودی عرب اور دیگر خلیجی ملکوں کیلئے ۲ ریال • Posting: 14Jan. 2009 Wednesday

"انسداد دہشت گردی کا — **جائزہ** — نیا قانون کیوں؟

# نئے قانون سے ملک کے جمہوری نظام اور حقوق انسانی کی خلاف ورزی ہوگی

**مجید میمن**، ایڈوکیٹ بامبے ہائی کورٹ

دراصل گزشتہ کچھ عرصے میں دہشت گردی کی وارداتوں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوا ہے اور آخر میں ۲۶/نومبر ۲۰۰۸ء کا معاملہ ممبئی میں پیش آیا۔ اس کے بعد ایسا محسوس ہونے لگا کہ شاید قانون کی کمزوری کی وجہ سے تو یہ دہشت گردی نہیں بڑھی ہے اس لئے فوری طور پر اس طرح کا قانون پاس کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں مجھ سے بھی کہا گیا تھا کہ اس پر اپنا مشورہ دوں۔ میں نے صاف طور پر کہا تھا کہ اس طرح کے خطرناک قوانین سے جن کا غلط استعمال اکثر ہماری تفتیشی ایجنسیاں کرتی ہیں گریز کرنا چاہئے۔ یہ ایک صحت مند معاشرے کے لئے لازم ہے۔ جمہوری اور صحت مند سماج ایسے قوانین کو کسی بھی صورت میں گوارا نہیں کرتا اس لئے ایسا سیاہ قانون نہیں بنایا جانا چاہئے لیکن چونکہ دہشت گردی کی وارداتیں بڑھتی چلی جا رہی تھیں اس لئے حکومت کو دوبارہ پوٹا جیسے قانون کو لانے کا خیال آیا۔

میری نظر میں یہ ایک غیر ضروری قانون ہے۔ لیکن اگر ملک کے تحفظ کے پیش نظر یہ ضروری ہو گیا ہے تو اسے ابھی صرف تجربے کے طور پر استعمال کیا جائے اور عارضی قانون کے طور پر نافذ کیا جائے لیکن اسے مکمل طور پر پاس کر دیا گیا ہے جس سے میں متفق نہیں ہوں۔ ایسے قوانین کی ہماری قانون کی کتابوں میں مستقل کوئی جگہ نہیں ہونی چاہئے چاہئے۔ اسے عارضی طور پر ہی استعمال کیا جائے اور جب حالات معمول پر آجائیں تو اسے واپس لے لینا چاہئے۔ ٹاڈا اور پوٹا میں پولیس تحویل میں ملزم سے لئے گئے اقبالیہ بیان کو عدالت میں تسلیم کیا گیا تھا جس کا مسلسل غلط استعمال پولیس کرتی رہی۔ لیکن انسداد غیر قانونی سرگرمی ایکٹ میں پولیس تحویل میں لئے گئے اقبالیہ بیان کو عدالت میں تسلیم نہیں کیا گیا ہے نیز اس میں پولیس کو ہدایت دی گئی ہے کہ ملزم کو گرفتار کرنے کے ۲۴ گھنٹے کے اندر عدالت میں پیش کیا جائے جس میں وہ اس بات کی شکایت کر سکتا ہے کہ اس اس سے اقبالیہ بیان پولیس نے دباؤ میں لیا ہے بقیہ دیگر معاملوں میں کوئی خاص فرق ٹاڈا اور پوٹا سے نہیں ہے۔ یہ قانون بھی جمہوری نظام کے خلاف اور حقوق انسانی کی خلاف ورزی کرنے والا ہے۔

اس وقت ملک کے حالات اس قدر خراب ہو گئے ہیں کہ اس طرح کے سخت قانون بنانے کو ضروری قرار دیا جا رہا ہے۔ میرے خیال میں دہشت گردی کے واقعات میں اضافے کی ذمہ دار قانون کی غیر حاضری نہیں ہے بلکہ اس کے اصل اسباب پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ کیا ہماری خفیہ ایجنسیاں اپنی ذمہ داری ٹھیک سے نبھا رہی ہیں اور کیا سرکاریں صحیح معنوں میں دہشت گردی پر قابو پانے کی سچی کوشش کر رہی ہیں؟ قانون بنانے سے قبل ان مقامات پر اصلاح کی ضرورت ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ دہشت گردی کو روکنے کے جو ذرائع ہیں اس میں ایک ذریعہ قانون بھی ہے۔ لیکن کرپشن پر روک اور سرکاری ایجنسیوں کے غیر ذمہ دارانہ رویے میں خاطر خواہ تبدیلی لائے بغیر ملک میں ہونے والے دہشت گردانہ واقعات پر قابو پانا ناممکن ہے۔ ہم نے دیکھا کہ دہشت گردوں نے ۱۹۹۳ء میں بھی سمندری راستوں کے ذریعہ ہی دھماکہ خیز مادہ ملک میں پہنچایا تھا اس وقت کرپشن ہی اس کا ذریعہ بنا تھا اس بار بھی سمندری راستوں کا استعمال ہوا ہے۔ میرا ماننا ہے کہ دہشت گردی کے واقعات پر قابو پانے کے لئے عوام کو بذات خود کوشش کرنی ہوگی۔ ملک کی سلامتی کو پورے طور پر سرکار اور پولیس کے بھروسے چھوڑ کر ہمیں مطمئن نہیں ہونا چاہئے۔ ہر شہری کو چاہئے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو نبھائے اس بار ہم سب کو یہ عہد کر لینا چاہئے کہ جب تک دہشت گردی کے خطرات سر پر منڈلاتے رہیں تب تک ہمیں چوکنا رہنا ہوگا۔ بی جے پی کا سخت قانون کا مطالبہ تو سیاسی بنا پر ہے۔ جو لوگ سخت قانون کی بات کرتے ہیں انہیں یہ کیوں نہیں دکھائی دیتا کہ جب پوٹا کا وجود تھا اس وقت پارلیمنٹ اور اکشر دھام مندر پر حملہ ہوا اس کا مطلب یہ ہے کہ قانون کی موجودگی اور غیر موجودگی سے دہشت گردی کے واقعات میں کمی آئے گی یہ کہنا غلط ہوگا۔ قانون کو سخت بنا کر پولیس کو جتنے اختیارات دئے جائیں گے قانون کے غلط استعمال کے امکانات اتنے ہی مزید قوی ہوں گے۔ اس طرح کے اقدامات سے ملک کا عام شہری ہی متاثر ہوگا اس قانون کے تعلق سے اقلیتوں میں پائی جانے والی بے چینی بے جا نہیں ہے ماضی میں اس کا سب سے زیادہ نقصان اسی طبقے کو اٹھانا پڑا ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ حکومت پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کریں تاکہ مستقبل قریب میں اس قانون کا غلط استعمال نہ ہو۔

(گفتگو پر مبنی)

**موضوع سخن**

## انسداد دہشت گردی کا نیا قانون کس لئے؟

گزشتہ اکتوبر کے وسط تک پوزیشن یہ تھی کہ ملک میں دہشت گردی کی روک تھام کے لئے حزب اختلاف کی جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی سخت سے سخت قوانین کا مطالبہ کرتی تھی، پوٹا کی منسوخی کے لئے یو پی اے سرکار کو مطعون کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی تھی اور حکمراں کانگریس کا عالم یہ تھا کہ اس معاملہ پر قابو میں رہنا چاہتی تھی۔ اس کا موقف تھا کہ اس آفت کا مقابلہ کرنے کے لئے موجودہ قوانین ہی کافی ہیں۔ لیکن اکتوبر کے وسط کے بعد بی جے پی اپنے مطالبہ میں کچھ سست پڑ گئی اس لئے کہ ۲۹/ستمبر کے مالیگاؤں کے دھماکے کی انکوائری کے دوران ہندتو دہشت گردی کا چہرہ سامنے آ رہا تھا، جس طرح انکشافات ہو رہے تھے اُن کے پیش نظر خیال تھا کہ گزشتہ سات برسوں کے دوران ہونے والے واقعات کی حقیقت بھی سامنے آجائے گی۔ اپریل ۲۰۰۶ء کے ناندیڑ کے واقعہ اور گزشتہ اگست کے کانپور کے واقعہ کی انکوائری کی باتوں نے ہندتو تحریک کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ جب کہ کانگریس اور اس کی حکومت اس کے خلاف بظاہر جارحانہ موڈ میں دکھائی دینے لگی تھی۔ لیکن ۲۶/نومبر کی رات سے صورتحال اچانک تبدیل ہو گئی یا یوں کہا جائے کہ وہیں پہنچ گئی جہاں اکتوبر کے اوائل تک تھی۔ بی جے پی اچانک اپنے فارم میں آگئی۔ ممبئی کے واقعات نے اس کے اندر ایک نئی جان ڈال دی تھی۔ اس کے لیڈر بہت خوش تھے اور دہشت گردی کے معاملے میں "نرم رو" ہونے کے لئے کانگریس کو چاروں طرف سے گھیرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ لوک سبھا کے آئندہ انتخابات کے لئے اس نے ایک بڑا ہتھیار حاصل کر لیا ہے۔ لیکن کانگریس نے اپنے قدیم تجربہ سے اس بار بھی اسے شکست دے دی اور یہ ہتھیار اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ آناً فاناً میں یواے پی اے کے نام سے وہ قانون بنا ڈالا جس نے بی جے پی کے پوٹا کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ یہی نہیں ایک مرکزی تفتیشی ایجنسی بھی بنا ڈالی جس کا مطالبہ بی جے پی کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی پاکستان کے ساتھ کشیدگی کا وہ ماحول پیدا ہو گیا جو ۲۰۰۱ء کے پارلیمنٹ پر "حملے" کے بعد بی جے پی بھی پیدا نہیں کر سکی تھی۔ اب کیفیت یہ ہے کہ دہشت گردی کے خلاف کانگریس اور اس کی حکومت خود کو سخت سے سخت تر ظاہر کر رہی ہے۔ خبر تو یہ بھی ہے کہ مرکزی وزارت داخلہ حکومت گجرات کے قانون کا وہ مسودہ جو اس نے ۲۰۰۳ء میں مرکز کے پاس برائے منظوری بھیجا تھا اور جسے مرکز نے صدر جمہوریہ کے پاس اس نوٹ کے ساتھ بھیجا تھا کہ اس پر دستخط نہ کئے جائیں، واپس طلب کر کے اسے منظوری دینے پر غور کر رہی ہے۔ گجرات کا یہ قانون ریاست میں منظم جرائم کی روک تھام سے متعلق ہے اور تقریباً اسی قبیل کا ہے جو مکوکا کے نام سے مہاراشٹر میں موجود ہے۔ تمام قرائن بتا رہے ہیں کہ مرکزی حکومت کا یہ اقدام سراسر سیاسی نوعیت کا ہے اس لئے کہ دہشت گردی کا مسئلہ خود ایک بڑا سیاسی مسئلہ بن گیا ہے۔ اندازہ ہے کہ لوک سبھا کے الیکشن ہونے تک ماحول اسی طرح گرم رہے گا۔ لہٰذا نئے قانون کو اس کی قانونی، آئینی انتظامی اور اخلاقی پیچیدگیوں کے ساتھ ساتھ سیاسی پہلو سے بھی دیکھا جانا چاہئے۔ (ایڈیٹر)

# نیا قانون بنا کر یو پی اے کی حکومت نے وعدہ شکنی کی ہے

**یوسف مچھالا** سینئر ایڈوکیٹ، بامبے ہائی کورٹ

ہمارا ملک گزشتہ کچھ عرصے سے دہشت گردی کا شکار ہے۔ اس سے نمٹنے کے لئے پہلے ٹاڈا پھر پوٹا لایا گیا۔ ان دونوں قوانین کے لئے جو دلیل تھی وہ آج بھی برقرار ہے۔ اول یہ کہ یہ دونوں قوانین دہشت گردی کو روکنے میں ناکام رہے ہیں صرف اس طرح کے قوانین بنانے سے دہشت گردی ختم نہیں ہو پا رہی ہے یہ تو دہشت گردی کے واقعات ہو جانے کے بعد جو لوگ اس میں ملوث ہیں ان کو سزا دینے کے لے بنائے گئے ہیں اس پر کسی نے توجہ نہیں دی ہے۔ دوسری بات یہ تھی کہ ان کا غلط استعمال بڑے پیمانے پر کیا گیا تھا۔ اس لئے ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر ہی ان کو کالعدم قرار دیا گیا۔ اس کا ذکر یو پی اے نے اپنے انتخابی منشور میں بھی کیا تھا اور برسر اقتدار آنے کے بعد اسی بنیاد پر پوٹا کو ختم کیا گیا۔ حالات پر نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ تمام وجوہ آج بھی موجود ہیں تو آخر کیوں ایک بار پھر ہی عمل دہرانے کی بات کی جا رہی ہے۔ پھر اسی پولیس کو مزید اختیارات دیئے جا رہے ہیں جس پر قانون کے نفاذ کے تعلق سے اس کے کردار پر سوال اٹھائے جاتے رہے ہیں۔ کیا پولیس میں کس طرح کی تبدیلی پیدا ہوئی ہے یا پہلے کے مقابلے اس نے اپنے اندر ایمانداری اور دیانت داری پیدا کر لی ہے۔ وہ اپنے اختیارات کا غلط استعمال نہ کرے اس کی کیا ضمانت ہے؟ میرا ماننا ہے کہ ملک میں موجودہ قوانین دہشت گردی سے نمٹنے کے لئے کافی تھے۔ پوٹا کے خاتمے کے بعد پولیس محکمے میں کس طرح کی اصلاحات کی گئی ہیں؟ جس سے ہمیں یہ اطمینان ہو کہ قانون کا غلط استعمال نہیں ہوگا۔ پولیس اصلاحات کے تعلق سے جتنی بھی کمیٹیاں بنائی گئیں ہیں سب نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ہماری پولیس فرقہ واریت کے نرغے میں ہے۔ یہ بات نیشنل کمیشن آف پولیس نے بھی کہی ہے۔ محکمہ پولیس جو پوری طرح سے بدکردار ہو چکا ہے اس کو آپ مزید اختیارات دیتے ہیں۔ یہ حماقت کی بات ہے۔ چونکہ کانگریس پر اپوزیشن یہ الزام لگاتی ہی ہے کہ وہ دہشت گردی سے نمٹنے میں نرمی برت رہی ہے اس بات کو اس قدر عام کیا گیا کہ عوام میں غصہ بڑھے محض سیاسی مفادات کے تحت اس طرح کا قانون پاس کیا گیا ہے سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ اور اس جیسے قوانین بنانے سے دہشت گردی ختم نہیں ہونے والی البتہ حقوق انسانی کی پامالی کے لئے پولیس کو اختیارات مل جائیں گے یہ کسی بھی جمہوری معاشرے کے لئے ہرگز بہتر نہیں ہے۔ اس کے خلاف ہمیں آواز بلند کرنی چاہئے کیونکہ یو پی اے نے وعدہ خلافی کی ہے۔

جو لوگ اس بات کے حق میں ہیں کہ اسے تجربہ کے طور پر استعمال کرنا چاہئے میرے خیال میں درست نہیں ہے کیا ہم نے ٹاڈا اور پوٹا کو نہیں دیکھا کہ کسی طرح پولیس نے من مانی کی ہے اس لئے ہم کسی بھی صورت میں اس طرح کے قانون کے حق میں نہیں ہیں ملک کے تمام شہریوں کو اس کے خلاف آواز بلند کرنی چاہئے کیونکہ اس سے حقوق انسانی کی پامالی بڑے پیمانے پر کی جائے گی۔ اس قانون کو پاس کرنے سے قبل پارلیمنٹ میں ماضی کے تجربات کی روشنی میں سیر حاصل بحث ہونی چاہئے تھی لیکن ایسا نہیں ہو سکا بلکہ جلد بازی میں پاس کر دیا گیا۔ حیرت کی بات ہے کہ آج اگر کوئی اس طرح کے سیاہ قانون کے خلاف آواز اٹھاتا ہے تو اسے ملک دشمن ٹھہرا دیا جاتا ہے۔ اس لئے اس کے خلاف آواز اٹھانے والے لوگوں پر بھی اس وقت خوف طاری ہے۔ ویسے تو اس قانون کے تمام پہلوؤں پر بحث کی جانی چاہئے۔ سب سے بڑی بات یہ رہے کہ اگر قانون کا غلط استعمال ہوا تو اس کے ذمہ داران کو جوابدہ بنایا جائے اس کے لئے اقدامات کئے جائیں سرکاری ایجنسیوں کے ہاتھوں میں اس کو دینے سے قبل اس بات کی پوری گارنٹی دی جائے کہ اس کا غلط استعمال کسی بھی صورت میں نہ ہو پائے۔

ایک شخص کو گرفتار کر کے اس طرح کے قانون کے تحت جیل میں ڈال دیا جاتا ہے اور کچھ عرصہ بعد یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اس کے خلاف کوئی جرم ثابت نہیں ہوا گویا انہیں باعزت بری کیا جاتا ہے یہ اس شخص کے ساتھ زیادتی نہیں تو اور کیا ہے۔ جن لوگوں نے غلط مقدمے داخل کر کے جیل میں ڈال رکھا تھا ان سے کوئی باز پرس نہیں ہوتی کہ آخر ایک انسان کے خلاف اس طرح کی زیادتی کیوں کی جاتی ہے اور اس پر کوئی کارروائی نہیں ہوتی۔

قانون بنانا ایک بات ہے اور قانون کا نفاذ دوسری بات ہے۔ ہماری سرکاری ایجنسیاں کچھ فرقوں میں تقسیم ہو گئی ہیں اور ایک دوسرے کو تعاون نہیں کرتیں دہشت گردی پر قابو پانے میں ناکامی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے۔ کسی بھی ممکنہ خطرے سے نمٹنے کے لئے بہت ضروری ہے کہ ہمارا خفیہ محکمہ اطلاعات متعلق اداروں کو فراہم کرے اس کے لئے انٹلی جنس ایجنسیوں کا رابطہ معاشرے سے ہونا چاہئے تاکہ عوام کی مدد انہیں حاصل ہو۔ اور معاشرے سے یہ ایجنسیاں اس طرح کا ربط پیدا کریں کہ معاشرہ ان پر اعتماد کرے۔ یہ اعتماد فی الحال نہیں پایا جاتا۔ یہ اعتماد اس وقت ممکن ہے جب ہماری انٹلی جنس ایجنسیاں اپنا کام ٹھیک طور پر انجام دیں گی۔ جب تک ایسا نہیں ہوگا ہمیں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوگی خواہ ہم کتنے ہی سخت قانون کیوں نہ بنا لیں۔

(گفتگو پر مبنی)

# فسطائی طاقتوں کو قانون کے غلط استعمال سے نہیں روکا جا سکتا

**پرشانت بھوشن**، ایڈوکیٹ سپریم کورٹ، نئی دہلی

میرے خیال میں دہشت گردی سے نمٹنے کے لئے مزید سخت قانون کی قطعی ضرورت نہیں تھی۔ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ گزشتہ قوانین کی طرح اس کا بے جا استعمال نہیں ہوگا۔ اس طرح کے قانون پاس کر کے پولیس کے اختیارات میں مزید اضافے اور حقوق انسانی کی پامالی کا عمل دہرانے کا کام کیا جا سکتا ہے جب کہ ضرورت اس بات کی ہے تفتیشی ایجنسیوں میں اصلاحات کی جائیں۔

گزشتہ دونوں قوانین ٹاڈا اور پوٹا میں پولیس تحویل میں لئے گئے بیان کو کورٹ میں تسلیم کیا گیا تھا، جب کہ اس نئے قانون میں اسے تسلیم نہیں کیا گیا ہے اس کے ماسوا بقیہ معاملوں میں یہ قانون بہت مختلف نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ مزید وسیع ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ جب کبھی دہشت گردانہ حملے ہوتے ہیں تو کچھ لوگ صرف ایک بات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ سخت قانون بنائے جائیں لیکن کسی نے آج تک یہ نہیں بتایا کہ قانون کی کس کمزوری کی وجہ سے کس دہشت گرد کو یہ لوگ گرفتار نہیں کر سکے اور کس کو چھوڑنا پڑا یہ تو آج تک ہمیں بتایا نہیں گیا۔ البتہ صرف اس بات کی رٹ لگاتے رہے کہ سخت قانون کی ضرورت ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ جب بھی کوئی دہشت گردانہ واقعہ ہوتا ہے تو یہ سمجھنے کی بجائے کہ یہ کیوں ہوا اس کے اصل اسباب کیا ہیں، سیدھے یہی بات کہی جاتی ہے کہ ہم کچھ جلدی سے کریں اور اس کا پروپیگنڈا اس طرح کیا جاتا ہے کہ عام لوگ اس کے حق میں ہو جائیں۔ امریکہ میں 9/11 کے بعد یہی کیا گیا۔ سخت قانون بنائے گئے اور پانچ ہزار

باقی صفحہ ۵ پر

## دہشت گردی مخالف قوانین - ایک جائزہ

| پوٹا (POTA) | انسداد غیر قانونی سرگرمی ایکٹ (UAPA) |
|---|---|
| **ضمانت** | |
| (۱) کورٹ میں پولیس کا بیان درج ہونے کے بعد | (۱) پولیس زیادہ سے زیادہ ۱۸۰ دن میں چارج شیٹ داخل نہ کر پائے تو ضمانت |
| **الزام ثابت کرنے کی ذمہ داری** | |
| (۲) ملزم پر | (۲) فنگر پرنٹ کی بنیاد پر ملزم کو مجرم مانا جائے گا۔ ورنہ مجرم ثابت کرنے کا ذمہ پولیس پر |
| **پولیس کے سامنے دیئے گئے اقبالیہ بیان کا درجہ** | |
| (۳) یہ بیان کورٹ میں مانا جائے گا۔ | (۳) پولیس کے سامنے دیا گیا بیان قابل قبول نہیں |
| **گواہوں کا تحفظ** | |
| (۴) گواہوں کا نام خفیہ رکھنے کا نظم۔ بند کمرے میں مقدمے کی شنوائی | (۴) پوٹا کی ہی طرح حکم، ریکارڈ اور فیصلے میں بھی گواہوں کا نام کا ظاہر نہیں کیا جائے گا۔ |
| **اپیل** | |
| (۵) ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں | (۵) مکوکا کی طرح ہی |
| **نکسل واد** | |
| (۶) دہشت گردانہ واقعہ نہیں۔ | (۶) دہشت گردانہ واقعہ مانا جائے گا۔ |
| **دہشت گرد تنظیم کا ممبر ہونا / خطرناک ہتھیار رکھنا** | |
| (۷) مذکورہ بالا دونوں باتیں دہشت گردی مانی جائیں گی | (۷) ممبر ہونا اور خطرناک ہتھیار رکھنا دہشت گردی کے مترادف لیکن اس کے تحت زیادہ سے زیادہ سزا عمر قید |
| **فون ٹیپنگ** | |
| (۸) کورٹ کے حکم کے بغیر ممکن | (۸) کورٹ کا حکم / منظوری ضروری |
| **خصوصی عدالت** | |
| (۹) خصوصی عدالت بنانی پڑتی ہے | (۹) خصوصی عدالت بنانے کا نظم ہے |
| **دہشت گردوں کے لئے فنڈ جمع کرنا** | |
| (۱۰) اسے دہشت گردی سے تعبیر کیا جائے گا اور پھانسی کی سزا ہوگی۔ | (۱۰) فنڈ اکٹھا کرنے پر پانچ سال تک کی عمر قید کی سزا |

## دہشت گردی کے ۱۵ بڑے واقعات

(۱) بھارت کی تاریخ میں اب تک کا سب سے بڑا دہشت گردانہ حملہ ۲۶/نومبر ۲۰۰۸ء ممبئی کے تاریخی ہوٹل تاج محل، ہوٹل اوبے رائے، نریمن ہاؤس سمیت پانچ مقامات پر ہوا جس میں قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ۱۴ اہلکاروں سمیت 195 سے زائد افراد ہلاک ۳۰۰ سے زائد زخمی ہوئے، دہشت گردوں کے خلاف کارروائی ۵۹ گھنٹے جاری رہی۔

(۲) آسام - ۳۰/اکتوبر ۲۰۰۸ء مختلف علاقوں میں اٹھارہ دھماکے ہوئے جن میں ۷۰ - افراد کے ہلاک ہونے کی اطلاعات ملیں۔

(۳) امپھال - ۲۱/اکتوبر ۲۰۰۸ء، منی پور پولیس کمانڈو کمپلیکس کے قریب بم دھماکہ ہوا جس کے نتیجے میں ۱۷ افراد ہلاک ہوئے۔

(۴) نئی دہلی - ۱۳/ستمبر ۲۰۰۸ء، نئی دہلی میں تین مختلف بم دھماکوں میں ۲۶ سے زیادہ افراد ہلاک اور ۸۰ زخمی ہو گئے۔

(۵) احمد آباد ۲۶/جولائی ۲۰۰۸ء دو گھنٹے کے دوران ہونے والے ۲۰ بم دھماکوں میں ۵۷ افراد کے ہلاک ہونے کی تصدیق کی گئی۔

(۶) جے پور - ۱۳/مئی ۲۰۰۸ء، ریاست راجستھان کے حکام نے جے پور میں منگل کی شام یکے بعد دیگرے ہونے والے ۷ دھماکوں میں ۶۰ افراد کی ہلاکت کی تصدیق کی۔

(۷) حیدرآباد - ۱۸/مئی ۲۰۰۷ء، حیدرآباد دکن میں پرانے شہر میں واقع تاریخی مکہ مسجد میں ایک بم دھماکے میں ۱۴ افراد ہلاک اور ۳۵ کے قریب زخمی ہو گئے۔

(۸) مالیگاؤں - ۸/ستمبر ۲۰۰۶ء، مہاراشٹر میں مالیگاؤں میں چار بم دھماکوں میں ۳۷ افراد کے ہلاک اور ۱۰۰ سے زائد کے زخمی ہونے کی اطلاعات ملیں۔

(۹) ۱۹/فروری ۲۰۰۷ء، پاکستان کے لئے روانہ ہونے والی ٹرین میں دو بم دھماکوں کے نتیجے میں ۶۶ مسافر ہلاک ہوئے جن میں زیادہ تعداد پاکستانیوں کی بتائی گئی۔

(۱۰) ممبئی - ۱۱/جولائی ۲۰۰۶ء، کو ممبئی میں ۷ بم دھماکے ہوئے جن میں ۲۰۰ - افراد ہلاک ہوئے۔

(۱۱) ممبئی - ۲۵/اگست ۲۰۰۳ء، ممبئی میں دو کار بم دھماکوں میں ۵۰ افراد کے ہلاک ہونے کی تصدیق کی گئی جب کہ درجنوں زخمی ہوئے۔

(۱۲) ممبئی - ۱۳/مارچ ۲۰۰۳ء، ایک مقامی ٹرین پر بم حملے میں ۱۱ - افراد کے ہلاک ہونے کی تصدیق کی گئی۔

(۱۳) دہلی - ۱۳/دسمبر ۲۰۰۱ء، بھارتی پارلیمنٹ پر ۵ لوگوں نے حملہ کر دیا جس میں حملہ آوروں اور ۶ پولیس اہلکاروں سمیت چودہ افراد ہلاک ہوئے۔

(۱۴) کوئم بتور - ۱۴/فروری ۱۹۹۸ء، تیرہ بم دھماکوں میں ۴۶ افراد کے ہلاک اور دو سو کے زخمی ہونے کی اطلاع کی تصدیق کی گئی۔

(۱۵) ممبئی - ۱۲/مارچ ۱۹۹۳ء، تیرہ مسلسل بم دھماکوں کے نتیجے میں ۲۵۷ افراد ہلاک اور ۷۰۰ زخمی ہوئے۔

# قرآن کریم اور تخلیق آدم وکائنات

مرزا سبحان بیگ، بھوپال

مورخہ ۱۰/ستمبر ۲۰۰۸ء کے سہ روزہ ''دعوت'' میں محمد عتیق الرحمٰن صاحب، ممبئی کا طویل مضمون ''قرآن کریم اور نظریہ تخلیق انسانی'' شائع ہوا ہے، جو نہایت مغالطہ آمیز اور قرآن فہمی اور قرآنی آیات کی توجیہ وتعبیر کی فاش غلطیوں پر مشتمل ہے۔

بجائے اس کے کہ محترم موصوف قرآن اور سائنسی تحقیقات واکتشافات کی روشنی میں اس حقیقت تک پہنچتے، اسے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرتے کہ انسان اپنی انفرادی واجتماعی زندگی میں کس طرز فکر وعمل کو اختیار کرکے دنیوی واخروی فلاح پاسکتا اور خسران سے بچ سکتا ہے، وہ کائنات اور مختلف انواع بشمول انسان کی تخلیق اور وجود کا ایک بے فائدہ اور غیر ضروری تجزیہ کرنے میں الجھ گئے۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ اپنے اس غیر قرآنی اور غیر سائنٹفک تجزیے کو قرآن کریم اور سائنسدانوں کے سرمنڈھنے کی جسارت بھی کرتے ہیں۔ ان کے تجزیے کا لب لباب یہ ہے کہ:

کائنات اور اس کی ہر شئے بشمول انسان کی تخلیق اول اور بعد کی جاری تخلیق بھی مختلف مدارج اور مراحل سے گزر کر ہوئی اور ہوتی رہی ہے۔ مدارج ومراحل لازمی شرط کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تخلیق کی ابتداء کی گئی، جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ ایک عمل ہے جو اپنی ابتداء رکھتا ہے اور اس کے لئے وقت درکار ہے۔ تخلیق اور وقت کی ابتداء ایک ساتھ ہوئی، دونوں ایک دوسرے کے لازمی جز ہیں۔ آدم علیہ السلام ہوں کہ عیسیٰ یا تمام انسان اور دیگر جاندار سب کی پیدائش میں مشترک اور اصل چیز ہے خلیہ۔ خلیے کے بغیر جسم نہیں بنتا اور خلیہ (پہلا جرثومۂ حیات) بھی کرسٹل کلے سے بنتا ہے جو سورج، سمندر اور چٹانوں وغیرہ کے درمیان ہونے والے طویل اور وقت طلب طبعی عمل کے نتیجے میں وجود میں آتا ہے۔ روح یعنی خالق کائنات کے ''حکم'' (یعنی دماغ کے ذریعے سے تمام اعضاء کا کنٹرول وتنظیم۔ موصوف کے نزدیک روح سے مراد حکم اور کنٹرول وتنظیم ہے۔) کے نفاذ کے لئے بھی ایک مکمل جسم کی تخلیق درکار ہے، جس کے لئے طویل وقت درکار ہوتا ہے۔ چنانچہ کائنات کی اور ہر جاندار شئے بشمول انسان کی تخلیق میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو بھی طویل وقت لگا، یہ کام وہ آناً فاناً نہیں کرپایا اور نہ ہی کرپاتا ہے''۔ نعوذ باللہ۔ ویسے موصوف نے ہر جگہ لفظ ''اللہ تعالیٰ'' یا ''خدا'' کے بجائے ''خالق کائنات'' استعمال کیا ہے۔

موصوف کا یہ نظریہ واضح طور پر ایک ناقص اور قوانین طبعی کے سامنے بے بس خدا کا تصور پیش کرتا ہے۔ یہ نظریہ زیادہ سے زیادہ ''محض خالق کائنات'' کا تصور پیش کرتا ہے۔ یہ نظریہ انسان کو دہریت اور شرک کی راہ دکھاتا ہے۔ وہ جب یہ دیکھے گا کہ خالق بھی ناقص اور مخلوق بھی ناقص تو وہ کیوں ایسے خالق کو خدا مانے اور اس کی بندگی و اطاعت کرے؟ اور اگر وہ عقیدۂ اس بات کا تو قائل ہے کہ یہ کائنات بغیر خالق کے نہیں ہے نہ ہوسکتی ہے خواہ وہ ایک ہو یا متعدد یا بہت سے ہوں تو موصوف کا تصور خالق کائنات اسے ایک کے بجائے متعدد یا بہت سی ہستیوں یا چیزوں کو خدا یا اس کے معاون و مددگار ماننے پر آمادہ کرے گا۔ کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ انسان کی اور دنیا کی بھی بے شمار ضرورتیں، احتیاجات وتقاضے ہیں جن کے پورا ہوئے بغیر دنیا اور انسان کی بقا ممکن نہیں ہے۔ ان میں سے ایک اہم تر اور شدید تر ضرورت یہ بھی ہے کہ بہت سی چیزیں اور واقعات آناً فاناً ایک لمحے بلکہ اس سے بھی کم کے اندر مافوق الفطری طور پر وجود میں آتے رہیں، تخلیق اور فنا کا عمل مسلسل جاری رہے، جس کا مشاہدہ انسان اول روز سے کرتا آ بھی رہا ہے۔

درحقیقت موصوف کا نہ صرف قرآن کا مطالعہ ناقص ہے بلکہ سائنس کا بھی، اور دونوں سے نتائج اخذ کرنے اور تجزیہ کرنے میں بھی انھوں نے ٹھوکر کھائی ہے۔ انھوں نے نہ نزول قرآن کے مقصد کو سمجھا، نہ اس کے روح اور منشاء کو اور نہ ہی اس کے حکیمانہ انداز بیان اور اسلوب کو۔ قرآن کریم بنیادی طور پر علم طبیعیات یا علم ہیئت یا علم حیاتیات یا علم تاریخ وغیرہ کی کتاب نہیں ہے، بلکہ اس میں آثار کائنات کا، تخلیقِ کائنات اور انسان، اور تاریخی واقعات اور تمثیلات وغیرہ کا ذکر محض توحید (کہ اللہ تعالیٰ ہی انسان اور کائنات کا واحد الٰہ اور رب ہے، وہ حیّ و قیوم، زبردست قادر مطلق، علیم وحکیم وخبیر، مدبر ومنتظم، حاکم و مقتدر اعلیٰ وغیرہ ہے) اور آخرت کے دلائل کے طور پر کیا گیا ہے۔ پھر یہ کہ قرآن کریم میں دو طرح کی آیات ہیں، محکمات اور متشابہات۔ محکمات کی حیثیت اُم الکتاب کی ہے یعنی ان کی زبان و بیان اور الفاظ بالکل صاف ہیں، جنھیں تاویلات کا تختۂ مشق بنانے کا موقع مشکل ہی سے کسی کو مل سکتا ہے۔ انہی میں اسلام کی دعوت، عبرت و نصیحت کی باتیں، گمراہیوں کی تردید اور راہ راست کی توضیح، دین کے بنیادی اصول، عقائد، عبادات، اخلاق، فرائض اور امر ونہی کے احکام ارشاد ہیں۔ حق کو پانے اور دنیوی واخروی فلاح سے ہمکنار ہونے اور خسران سے بچنے کے لئے قرآن کریم انہی آیات پر توجہ مرکوز کرنے پر زور دیتا ہے۔ جبکہ متشابہات جن کے مفہوم میں اشتباہ کی گنجائش ہے ان کے درپے ہونے سے منع کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وہی ہے جس نے تمہارے اوپر کتاب اتاری جس میں محکم آیات ہیں جو اصل کتاب کا درجہ رکھتی ہیں اور دوسری کچھ آیات اس میں ایسی ہیں جو متشابہ ہیں، تو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اس میں سے متشابہات کے درپے ہوتے ہیں تاکہ فتنہ پیدا کریں اور ان کی حقیقت و ماہیت معلوم کریں حالانکہ ان کی اصل حقیقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا''۔ (آل عمران:۷)

مولانا مودودیؒ نے اس آیت کی جو تشریح کی ہے اس کا خلاصہ: ''یہ ظاہر ہے کہ انسان کے لئے زندگی کا کوئی راستہ تجویز نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ کائنات کی حقیقت اور اس کے آغاز اور انجام اور اس میں انسان کی حیثیت اور ایسے ہی دوسرے بنیادی امور کے متعلق کم سے کم ضروری معلومات انسان کو نہ دی جائیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو چیزیں انسان کے حواس سے ماورا ہیں جو انسانی علم کی گرفت میں نہ کبھی آئی ہیں نہ آسکتی ہیں، ان کے لئے انسانی زبان میں نہ ایسے الفاظ اور نہ ایسے معروف اسالیب بیان مل سکتے ہیں جن سے ہر سامع کے ذہن میں ان کی صحیح تصویر کھنچ جائے۔ لامحالہ یہ ناگزیر ہے کہ اس نوعیت کے مضامین کو بیان کرنے کے لئے الفاظ و اسالیب بیان وہ استعمال کئے جائیں جو اصل حقیقت سے قریب تر مشابہت رکھنے والی محسوس چیزوں کے لئے انسانی زبان میں پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ مابعد الطبیعی مسائل کے بیان میں قرآن کریم کے اندر ایسی ہی زبان استعمال کی گئی ہے، اور متشابہات وہ آیات ہیں جن میں یہ زبان استعمال کی گئی ہے۔ لیکن اس زبان کا زیادہ سے زیادہ بس فائدہ اتنا ہی ہوسکتا ہے کہ آدمی کو حقیقت تک پہنچادے یا اس کا ایک دھندلا سا تصور پیدا کردے۔ ایسی آیات کے مفہوم کو متعین کرنے کی جتنی زیادہ کوشش کی جائے گی اتنے ہی زیادہ اشتبہات و احتمالات سے سابقہ پیش آئے گا حتیٰ کہ انسان حقیقت سے قریب تر ہونے کے بجائے اور زیادہ دور ہوتا چلا جائے گا''۔ یا بقول مولانا امین احسن اصلاحیؒ ان باتوں کو جس حد تک ہمارے لئے سمجھنا ضروری ہے اتنا ہماری سمجھ میں آجاتا ہے اور اس سے ہمارے علم ویقین میں اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن ہم اپنی حد سے آگے بڑھ کر ان کی اصل حقیقت وصورت کو اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کریں تو یہ چیز فتنہ بن جاتی ہے اور اس کا نتیجہ صرف یہ نکلتا ہے کہ انسان اپنے ذہن سے شک کا ایک کانٹا نکالنا چاہتا ہے اور اس کے نتیجے میں بے شمار کانٹے اس کے اندر چبھا لیتا ہے۔

موصوف نے جن قرآنی آیات کا حوالہ دیا اور ان سے اپنے نظریہ تخلیق کی تخلیق کی وہ متشابہات میں سے ہیں۔ آدمؑ اور عیسیٰؑ کی تخلیق کا اور رحم مادر میں انسان کی تخلیق کا عمل، روح اور اس کا پھونکا جانا، نباتات کی تخلیق کا عمل، آسمانوں اور زمین کی تخلیق کا عمل، آسمانوں اور دنیا کے معاملات کی روداد کا اللہ کے حضور پیش کیا جانا، آثار قیامت، یہ سب باتیں متشابہات میں سے ہیں۔ مثلاً آدم علیہ السلام یا انسان کی تخلیق سے متعلق قرآن کریم میں تقریباً ہر جگہ جس انداز میں ذکر کیا گیا، مثلاً کہیں سڑی ہوئی مٹی سے پیدا کیا، کہیں سوکھے گارے سے، کہیں لیس دار گارے سے، کہیں صرف مٹی سے، کہیں گندے پانی کے ایک قطرے (نطفہ) سے، کہیں صرف پانی سے، کہیں جمے ہوئے خون کے لوتھڑے سے، تو اس سے انسان کو صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ وجود مادی کے اعتبار سے کائنات کی ایک نہایت حقیر ہستی ہے۔ (اسی اعتبار سے ابلیس نے اسے اپنے مقابلے میں حقیر جانا اور اس کے آگے سجدہ کرنے سے انکار کردیا: ''رب نے پوچھا، اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تونے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہ دیا؟ اس نے کہا، میرا یہ کام نہیں ہے کہ میں اس بشر کو سجدہ کروں جسے تونے سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے پیدا کیا''۔ (الحجر:۳۳) تاکہ اسے جو ارادہ و انتخاب کی آزادی اور کائنات میں تصرف کا اختیار اور قوت وصلاحیت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی ہے اس کی بناء پر وہ کبر میں مبتلا ہو کر اس کا استعمال اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بجائے اپنی مرضی کے مطابق نہ کرنے لگے۔

اسی طرح ''زمین سے پیدا کرنا'' پھر اسی میں واپس لے جانا اور دوبارہ اسی سے نکالنا'' اس سے یہ بتانا مقصود نہیں ہے کہ زمین یا مواد ارضی میں قوت حیات ہے جس سے اللہ تعالیٰ زندہ انسانی ''روح سمیت (متعدد مدارج ومراحل کے تحت) بنا کر زمین پر لا کھڑا کرتا ہے اور پھر ایک وقت خاص کے بعد جوں کا توں زندہ انسان (روح'' سمیت) کو زمین اور مواد ارضی کا حصہ بنادیتا ہے، اور پھر ایک وقت خاص کے بعد اخروی زندگی کے لئے وہی اول الذکر Process اختیار کرے گا۔ یہی توجیہ وتعبیر کی ہے موصوف نے اس آیت اور اس طرح کی دیگر آیات کی۔ اس توجیہ وتعبیر میں اصل مقام روح کے بجائے خاک اور لبد خاکی کو دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ توجیہ وتعبیر عالم برزخ اور عذاب قبر کے تصور کو خارج کردیتی ہے۔ کیونکہ مرنے کے بعد تو یہ لبد خاکی جل کر راکھ بن جاتا ہے یا سمندر کے جانور اسے کھا جاتے ہیں یا زمین میں سڑگل جاتا ہے۔ کتنی غلط بلکہ گمراہ کن ہے یہ توجیہ وتعبیر! جبکہ قرآن کریم وحدیث کی رو سے عالم برزخ (مرنے کے بعد سے قیامت تک ارواحِ انسانی کے قیام کی جگہ) اور برزخی زندگی میں انسان کا عذاب یا راحت سے دوچار ہونا عین حق ہے۔ ظاہر ہے عذاب یا راحت کا نزول روح ہی پر ہوگا، جسم کا حال تو وہ ہوگا جس کا ذکر ابھی کیا گیا، اسی طرح خواب میں انسان کو جو تکلیف یا خوشی محسوس ہوتی ہے اس کا تعلق بھی روح سے ہے نہ کہ جسم سے۔ نیند کی حالت ایک طرح کی موت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ عارضی طور پر روح قبض کرلیتا ہے۔ یعنی روح جو اللہ کی صفات کا ہلکا سا پرتو ہے اس کے ایک جز ''زندگی'' (یعنی وہ چیز جس کی بدولت ایک ذی حیات جسم کی مشین متحرک ہوتی ہے) کے سوا دوسرے جز یعنی احساس وشعور، فہم وادراک اور اختیار وارادہ کی قوتوں کو معطل کردیتا ہے۔ سورہ الزمر کی آیت نمبر ۴۲ میں ارشاد ہے: ''وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو موت کے وقت روحیں قبض کرتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا ہے اس کی روح نیند میں قبض کرلیتا ہے، پھر جس پر وہ موت کا فیصلہ نافذ کرتا ہے اسے روک لیتا ہے اور دوسروں کی روحیں ایک وقت مقرر کے لئے واپس بھیج دیتا ہے''۔

موصوف اس حقیقت سے بھی چشم پوشی کرتے ہیں کہ پہلا انسان یعنی آدم علیہ السلام ازل میں مٹی کا پتلا یا جسم (موصوف پتلا نہیں جسم مانتے ہیں) روح پھونکے جانے سے پہلے بے جان مواد ارضی سے زیادہ کچھ نہیں تھے۔ اسی لئے فرشتوں کو اس طرح حکم ملا کہ وہ روح پھونکے جانے کے بعد اس پتلے یا جسم کے آگے سجدہ کریں یعنی زندہ انسان کے آگے۔ اسی طرح بعد کا انسان رحم مادر میں روح پھونکے جانے سے پہلے ایک بے جان نطفے یا بے جان خون کے لوتھڑے سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا ہے۔ دراصل انسان یا آدم علیہ السلام اس لبد خاکی کا نام نہیں ہے بلکہ (مولانا مودودیؒ کے الفاظ میں) اُسی روح کا نام ہے جو دراصل صفاتِ الٰہی کا ہلکا سا پرتو یا عکس ہے جو اس لبد خاکی پر ڈالا گیا۔ حیات، علم، قدرت، ارادہ واختیار اور دوسری جتنی صفات انسان میں پائی جاتی ہیں انہی کے مجموعے کا نام روح ہے۔ روح سے مراد محض وہ زندگی نہیں ہے جس کی بدولت ایک ذی حیات جسم کی مشین متحرک ہوتی ہے بلکہ اس سے مراد وہ خاص جوہر ہے جو فکر وشعور اور عقل وتمیز اور فیصلہ واختیار کا حامل ہوتا ہے، جس کی بدولت انسان تمام مخلوقات ارضی سے ممتاز ایک صاحب شخصیت ہستی، صاحب انا ہستی اور حامل خلافت ہستی بنتا ہے۔

تو مذکورہ آیت یا اس طرح کی دوسری آیات سے اصلاً مرنے کے بعد دوبارہ جوں کا توں پیدا کیا جانا، صرف اس حقیقت کو واضح کرنا مقصود ہے۔ انسان کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اسی زمین پر پیدا ہوا اور مرنے کے بعد اسی زمین کی مٹی میں رل مل جائے گا لیکن منکرین کو اس وقت بھی یہ اعتراض تھا اور آج بھی ہے کہ جب ہم مرکر مٹی میں ل مل جائیں گے، ہماری ہڈیاں تک بوسیدہ ہوجائیں گی تو ہمیں دوبارہ زندہ کیسے کیا جائے گا؟ بتایا گیا کہ ہاں یہ زمین بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کی اور اس پر تم کو بھی اُسی نے پیدا کیا اور وہی تمہیں موت دیتا ہے جس کے بعد تمہارا جسم سڑگل کر راکھ اور خاک بن جاتا ہے یا سمندر (جو زمین ہی کا ایک حصہ ہے) کے پانی میں گھل مل جاتا ہے، لیکن باوجود اس کے اللہ تعالیٰ خشکی وتری میں بے شمار جگہوں میں بکھرے ہوئے تمہارے جسم کے ان بے شمار ذرات کو جمع کرکے، اسے جسم دیکر اس میں واپس روح ڈال کر جوں کا توں تمہیں زندہ کھڑا کرے گا اور وہ بھی آناً فاناً:

''پھر ایک صور پھونکا جائے گا اور یکا یک یہ اپنے رب کے حضور پیش ہونے کے لئے اپنی قبروں سے نکل پڑیں گے۔ گھبرا کر کہیں گے: ''ارے یہ کس نے ہمیں ہماری خواب گاہ سے اٹھا کر کھڑا کیا؟'' (یٰسین: ۵۱،۵۲) ''بس ایک ہی جھڑکی ہوگی اور یکا یک یہ اپنی آنکھوں سے (وہ سب کچھ جس کی خبر دی جارہی ہے) دیکھ رہے ہوں گے۔ اس وقت یہ کہیں گے ہائے ہماری کم بختی، یہ تو یوم الجزاء ہے''۔ (الصافات:۱۹،۲۰)

موصوف نے تقریباً تمام ہی قرآنی آیات کا حوالہ بے محل دیا ہے اور ان کی بالکل ہی غلط توجیہ وتعبیر کی۔ انھوں نے نہ سیاق و سباق کو نہ ان آیات سے متصل آگے کی آیات کے مضامین کو اور نہ ہی قرآن کے منشاء کو پیش نظر رکھا، نہ قرآنی اصطلاحوں اور عربی الفاظ کے معنی ومطالب کو جاننے کی کوشش کی اور نہ ہی پیرائے بیان کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اسی طرح انھوں نے بیانی ترتیب کو زمانی ترتیب اور ارادہ ومنصوبہ الٰہی کو وقت اور دور سمجھ لیا۔ عملِ تخلیق اور تدبیر کائنات کی اجمالی تفصیل سے اللہ تعالیٰ کی بے پایاں قدرت، کمال اور کرشمے اور حکمت کو بتانا مقصود ہے، لیکن موصوف نے اس سے جو کچھ اخذ کیا اس سے اللہ کے ایک ناقص خدا ہونے کا تصور ابھر کر سامنے آتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمانوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا، اس سے وہ یہ سمجھے کہ ان کی تخلیق آسان کام نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ فوراً کرسکتا بلکہ اس کام کے لئے اسے چھ دن بلکہ کئی ایام اور ادوار لگ گئے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا منصوبہ چھ دنوں میں پیدا کرنے کا تھا تو چھ دن میں ان کی تخلیق فرمائی، ایک دن یا ایک لمحے کا منصوبہ ہوتا تو اسی کے اندر تخلیق فرمادیتا۔ اسی طرح آدم علیہ السلام یا انسان کی تخلیق کی اجمالی تفصیل کہ سوکھے گارے سے بنانا، اس کے اندرونی اور بیرونی اعضاء بنا کر اس میں روح ڈال کر اسے کھڑا کرنا یہ سب یکا یک نہ بھی ہوا ہو بلکہ ایک وقت مقرر میں ہوا ہو، یا رحم مادر میں کم از کم ایک سو بیس ایام نیز اندر و باہر کے تخلیقی پروسیس کے لئے کئی ایام لگتے ہیں تو یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ارادے ومنصوبے کا حصہ ہے۔ اللہ کامل قدرت رکھتا ہے، اور ایسا اس نے کیا بھی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں تقریباً ہر جگہ جہاں تخلیق، فنا و اعادے کا ذکر ہے وہاں وھو علیٰ کل شئی قدیر یا کن فیکون ارشاد ہوا ہے، اور ساتھ ہی دوسرے مقامات پر اس قدرت کے عملی مظاہرے کا بھی ذکر کردیا گیا ہے۔ مثلاً تخلیق کائنات کے تعلق سے سورہ حم السجدہ، آیت گیارہ میں ارشاد ہے: ''پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت محض دھواں تھا۔ اس نے آسمان اور زمین سے کہا: ''وجود میں آجاؤ، خواہ تم چاہو یا نہ چاہو''۔ دونوں نے کہا: ''ہم آگئے فرمانبرداروں کی طرح''۔

(یہ کائنات آناً فاناً وجود میں آگئی، اسے جدید سائنس بھی مانتی ہے۔ سائنس سے متعلق گفتگو آگے کی جائے گی)

تخلیق بنی آدم کے تعلق سے سورۂ الاعراف آیت:۱۷۲ میں ارشاد ہے: ''اور اے نبیؐ لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جبکہ تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے اُن کی نسل کو نکالا تھا اور اُنہیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا: ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انھوں نے کہا ''ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں، ہم اس پر گواہی دیتے ہیں''۔ یہ ہم نے اس لئے کیا کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دو کہ ''ہم تو اس بات سے بے خبر تھے'' یا یہ نہ کہنے لگو کہ ''شرک کی ابتداء تو ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے کی تھی اور ہم بعد کو ان کی نسل سے پیدا ہوئے''۔

(باقی آئندہ)

آدم علیہ السلام یا انسان کی تخلیق سے متعلق قرآن کریم میں تقریباً ہر جگہ جس انداز میں ذکر کیا گیا، مثلاً کہیں سڑی ہوئی مٹی سے پیدا کیا، کہیں سوکھے گارے سے، کہیں لیس دار گارے سے، کہیں صرف مٹی سے، کہیں گندے پانی کے ایک قطرے (نطفہ) سے، کہیں صرف پانی سے، کہیں جمے ہوئے خون کے لوتھڑے سے، تو اس سے انسان کو صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ وجود مادی کے اعتبار سے کائنات کی ایک نہایت حقیر ہستی ہے۔

دراصل انسان یا آدم علیہ السلام اس لبد خاکی کا نام نہیں ہے بلکہ (مولانا مودودیؒ کے الفاظ میں) اُسی روح کا نام ہے جو دراصل صفاتِ الٰہی کا ہلکا سا پرتو یا عکس ہے جو اس لبد خاکی پر ڈالا گیا۔ حیات، علم، قدرت، ارادہ واختیار اور دوسری جتنی صفات انسان میں پائی جاتی ہیں انہی کے مجموعے کا نام روح ہے۔

# عمل کے نفاق سے محفوظ رہنے کی ضرورت واہمیت

مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی

صاحب ایمان کی ایمانی اور عملی زندگی کے لئے جو چیز سب سے زیادہ خطرناک اور باعث تشویش ہوتی ہے وہ نفاق ہے۔ انسان ایمان کا عقیدہ محکم رکھتا ہو، اعتقادی تذبذب وتردد اور نفاق سے محفوظ ہو، تب بھی عملی زندگی میں ہر آن کردار وعمل کا نفاق اس کا تعاقب کرتا رہتا ہے۔ اور جب تک پورے ہوش اور شعور کے ساتھ عملی صلاح کا اہتمام نہ کیا جائے اور جب تک ہر ممکنہ لغزش اور بے سمتی سے محفوظ رہنے کی فکر نہ کی جائے، اس وقت تک کردار وعمل کے مہلک نفاق سے بچنا ناممکن رہتا ہے۔ قرآن وسنت کے نصوص میں کردار وعمل کے اس نفاق کی متعدد علامتیں بتائی گئی ہیں اور اس بتانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ بندۂ مومن ان سے گریز اور بچاؤ کی فکر کرتا رہے اور ہمہ وقت اپنے کردار کا جائزہ ان علامتوں کی روشنی میں لیتا رہے۔ اگر اسے اپنا کردار ان غلیظ علامتوں سے پاک نظر آئے تو یہ فضل الٰہی اور انعام ربانی ہے جس کی بقاء و دوام کے لئے شکر و سپاس کا حکم ہے اور اگر خدانخواستہ اپنے کردار میں ان غلاظتوں کی کوئی چھینٹ نظر آتی ہے یا اس کا تعفن محسوس ہوتا ہے تو یہ خطرے کا الارم ہے اور ایسے شخص کو عزم وتوبہ کے ذریعے اصلاح حال کی سخت ضرورت ہے۔ ''حضرت عبداللہ بن عمر حسب ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ چار باتیں جس شخص میں پائی جائیں وہ خالص منافق بن جاتا ہے: (۱) جب بولے جھوٹ بولے (۲) جب وعدہ کرے وعدہ خلافی کرے (۳) جب عہد کرے عہد شکنی کرے (۴) جب جھگڑا کرے گالی بکے، جس شخص میں ان باتوں میں سے کوئی ایک بات پائی جاتی ہے اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوتی ہے، یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے''۔ (بخاری) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپؐ سے نقل کرتے ہیں کہ منافق کی علامتیں تین ہیں، اگرچہ وہ نماز وروزہ کا پابند اور اپنے مسلمان ہونے کا دعویدار ہو: ''(۱) جب بات کرے جھوٹ بولے (۲) جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے (۳) جب اسے کسی امانت کا امین بنایا جائے تو خیانت اور بے ایمانی کرے''۔ (بخاری ومسلم)

ایک حدیث میں مزید آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ منافقوں کی کچھ امتیازی علامتیں ہوتی ہیں جن سے ان کی شناخت ہوتی ہے: (۱) ان کا باہمی سلام لعن طعن ہوتا ہے (۲) ان کا کھانا حد اعتدال سے بہت زیادہ ہوتا ہے (۳) وہ مال غنیمت میں خیانت کے عادی ہوتے ہیں (۴) مسجدوں میں ان کی آمد برائے نام ہوتی ہے، وہ بھی فضولیات کے لئے، نہ کہ عبادت کے لئے (۵) نماز میں دیر سے اور پیچھے ہی آتے ہیں (۶) نہ وہ دل سے کسی سے محبت کرتے ہیں نہ کوئی انہیں دل سے چاہتا ہے (۷) رات بھر اس طرح سوئے پڑے رہتے ہیں جیسے لکڑی رکھی ہوئی ہو، اللہ تعالیٰ کو بالکل یاد نہیں کرتے۔ (۸) دن بھر مادی منافع کے لئے شور مچاتے پھرتے ہیں (مسند احمد) ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ منافق کا حال یہ ہوتا ہے کہ ہر حکم شرعی کی نافرمانی اس کا شعار بن جاتا ہے اور دشمنوں سے مقابلے کے وقت بلکہ ہر خطرے کے موقع پر وہ بزدلی کا شرمناک مظاہرہ کرتا ہے۔ قرآن کریم میں اہل نفاق کے تذکرے کے ذیل میں نماز سے غفلت، بخل، نام ونمود، دین پر عمل میں کسل مندی، مادہ پرستی، موقع شناسی اور تذبذب کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو سورہ ماعون:۵۔۷، وسورۃ النساء:۱۴۰۔۱۴۳)

نفاق عمل کی زہرناکی اور خطرناکی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ دربار رسالتؐ کے فیض یافتہ، مجسم تقویٰ صحابہ کرامؓ ہمہ وقت اپنے کردار کا محاسبہ کرتے رہتے تھے۔ جنت کی بشارتوں اور عملی زندگی کی بے نظیر پاکیزگی کے باوجود ان کا عالم یہ تھا کہ ہر آن انہیں یہ فکر رہتی تھی کہ کہیں وہ نفاق میں مبتلا تو نہیں ہوگئے ہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ یہ خوف ان کا اس طرح رفیق زندگی بن گیا تھا کہ دنیا کی کوئی خوشی انہیں اس کیفیت سے باہر نہیں لاپاتی تھی، ہمہ وقت وہ اس طرح لرزتے رہتے تھے جیسے ہوا میں درخت کے پتے ہلتے لرزتے ہیں۔ حضرت ابن ابی ابن ملیکہ کا یہ قول امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ میں نے تیس صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دیکھا ہے، ان میں ہر ایک اپنے اوپر نفاق کا خوف کرتا تھا، کوئی اپنی پاکیزگی اور مکمل ایمان کا مدعی نہیں تھا، ہر ایک اپنے کو ناقص و عاجز سمجھتا اور ڈرتا رہتا تھا۔ حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ نفاق سے مومن ہی ڈرتا ہے، یہ اسی کی شان ہے۔ منافق تو مبتلائے نفاق ہوتا ہے۔ وہ اپنے نفاق سے ڈرتا نہیں بلکہ مطمئن رہتا ہے۔ یہی اس کی بدبختی ہوتی ہے۔ (بخاری، کتاب الایمان) یہ بالکل واضح ہے کہ صحابہ کرامؓ عقیدہ اور عمل ہر قسم کے نفاق سے خائف رہا کرتے تھے، تاہم عملی زندگی میں ان کو یہ دھڑکا زیادہ لگا رہتا تھا کہ کوئی ایسا عمل سرزد نہ ہوجائے جو ان کو عملی نفاق میں مبتلا کردے۔ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ دنیا کی کچھ چیزوں کی خواہش، مثلاً مال غنیمت کی خواہش، دنیا میں عزت کی آرزو، اور بعض جائز لذتوں کی طلب انہیں بے حد فکرمند رکھتی تھی، اور وہ سوچتے تھے کہ کہیں یہ خواہش نفاق کی علامت تو نہیں ہے۔ اسلام کے دامنِ رحمت میں آنے کے بعد دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا جو ظہور دنیوی عزت ووجاہت اور مقبولیت کی شکل میں ان پر ہوا تھا، کبھی انہیں اس پر بھی خوف آتا تھا، خدمتِ نبوی ﷺ میں دل کی ایمانی حرارت وکیفیت کا جو حال ہوتا تھا، وہاں سے ہٹنے کے بعد کاروبار دنیا میں اور اہل وعیال کی مصروفیات میں لگنے کے بعد اس ایمانی حرارت میں جو فرق آتا تھا، وہ بھی انہیں بے چین کردیتا تھا۔ وہ تڑپ اٹھتے تھے اور اپنے منافق ہوجانے کا یقین لے کر روتے ہوئے بارگاہ نبوی ﷺ میں جاتے تھے، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سمجھاتے تھے تب انہیں کچھ قرار آتا تھا۔

حضرت عمر خلیفہ راشد ہیں، مقرب بارگاہ نبوت ہیں، جنت کے بشارت یافتہ ہیں، لاتعداد ایمانی امتیازات کے حامل ہیں، مگر ان کے خوف اور فکرمندی کا عالم یہ ہے کہ رازدار رسولؐ حضرت حذیفہ بن الیمان سے بار بار تڑپ تڑپ کر یہ پوچھتے ہیں: ''منافقوں کی جو فہرست آپؐ نے حذیفہؓ کو دی ہے کہیں اس میں عمرؓ کا نام تو شامل نہیں ہے؟'' حضرت حذیفہؓ کا بیان ہے کہ مسجد میں قسم دے کر حضرت عمرؓ نے بار بار جب یہ سوال کیا تو میں نے کہا: نہیں، آپؓ کا نام اس فہرست میں نہیں ہے، تب جاکر انہیں قرار آیا۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نفاق سے خوف کا کیا عالم ہے؟ مشہور صحابی حضرت حنظلہؓ کا بیان ہے کہ میں حضرت ابوبکرؓ سے ملا، میں رو رہا تھا، پوچھا: کیا ماجرا ہے؟ میں نے عرض کیا: حنظلہ منافق ہوگیا ہے، پوچھا: کیسے؟ میں نے کہا: ہم اللہ کے رسولؐ کے پاس حاضر رہتے ہیں، آپؐ ہمیں جنت وجہنم یاد دلاتے ہیں، ہماری کیفیت عجیب ہوتی ہے، پھر جب لوٹ کر گھربار کاروبار میں الجھتے ہیں تو وہ کیفیت ختم ہوجاتی ہے، دل میں جوش مارنے والا شعلۂ ایمانی ماند پڑجاتا ہے، یہ نفاق ہی تو ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بولے: بخدا ہمارا حال بھی تو یہی ہے، پھر دونوں بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوئے، پورا معاملہ بتایا، آپؐ نے فرمایا: حنظلہ! یہ نفاق نہیں ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ میری مجلس میں حرارت ایمانی کا جو اعلیٰ مقام تم کو حاصل رہتا ہے اگر ہمہ وقت یہی کیفیت برقرار رہے، ہر آن تم ذکر الٰہی میں رہو تو تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں میں، ہر مقام پر اللہ کے فرشتے، تم سے مصافحہ کریں، لیکن اے حنظلہ: گھڑی گھڑی کی بات ہوتی ہے، دل کے جذبات ہمہ وقت یکساں نہیں رہتے۔

مقام توجہ ہے کہ حضرت حنظلہؓ اور حضرت صدیق اکبرؓ جیسے پاکباز وجلیل القدر صحابہ کرامؓ اپنی عملی زندگی میں نفاق سے اس درجہ خائف رہتے تھے، ہم شر وگناہ کے اس ماحول اور نفاق کی اس گرم بازاری میں غفلتوں اور معصیتوں میں غرق رہتے ہوئے بھی نہ تو کبھی یہ فکر کرتے ہیں کہ ہم نفاق عملی کی لعنت میں پھنستے جارہے ہیں، اور نہ یہ احساس کرتے ہیں کہ ہماری یہ غفلت کتنی مجرمانہ اور مہلک ہے۔ مومن کے پاس اس کے کام آنے والا اور آخرت کے سفر کا توشہ بننے والا سرمایہ صرف ایمان اور عمل صالح ہے۔ قرآن پاک میں انہی دونوں چیزوں کو ''تقویٰ'' (پرہیزگاری) کے جامع لفظ سے تعبیر کرکے اسے صاحب ایمان کیلئے سفر حیات کا سب سے بہتر زاد راہ بتایا گیا ہے۔ اب اگر ہماری کوتاہیاں ہمارے اس سرمائے کو نفاق عمل کی غلاظت سے آلودہ کردالیں تو ہمارے لئے اس سے بڑا خسارہ اور کیا ہوگا؟ اسلئے ہر مومن کو بے حد فکرمندی، احتیاط اور بیدار مغزی کی ضرورت ہے۔ ●●

## نیا قانون سیاسی فائدہ حاصل کرنے کی ایک کوشش ہے

**رام پنیانی**، معروف سماجی کارکن، ممبئی

دہشت گردی مخالف قانون جو پارلیمنٹ میں بغیر کسی بحث کے پاس ہوگیا اور اس وقت ماحول ایسا پیدا کیا گیا کہ کسی پارٹی نے اس کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھائی۔ ایسا لگا کہ جیسے سخت قانون بنادینے سے ہی مسئلے کا حل ہوجائے گا جبکہ معلوم ہونا چاہئے کہ دہشت گردی کا مسئلہ کوئی لاءاینڈ آرڈر کا مسئلہ نہیں ہے۔ دہشت گردی کی شروعات اسی وقت سے ہوتی ہے جب امریکہ نے پاکستان میں القاعدہ کے مراکز کھلوائے۔ یہ امریکہ کی چالاکی ہی کہی جائے گی کہ اس نے دنیا بھر میں اس وبا کو پھیلادیا اور اس کے خاتمے کے نام پر آج دنیا کے ان ملکوں پر قبضہ جمانے کی کوشش کررہا ہے جو تیل کے میدان میں خودکفیل ہیں۔ دہشت گردی تو ایک بہانہ ہے۔ اصل مقصد امریکہ کا ان قدرتی ذخائر پر کسی نہ کسی شکل میں قبضہ جمانا ہے جس میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہوتا نظر آرہا ہے— میرا ماننا ہے کہ قانون مسئلے کا حل نہیں ہے کیونکہ کسی بھی قانون کو بنانے میں صرف اس بات پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو شہریوں کے حقوق میں کٹوتی کی جائے۔ دوسری اہم بات یہ کہ کچھ عالمی قوانین کی وجہ سے ہم اس بات کو بھی ٹھیک سے نہیں جان سکتے کہ امریکہ کی سی آئی اے اسرائیل کی موساد اور پاکستان کی آئی ایس آئی کے مابین کس طرح کا ربط ہے اور وہ کیا کررہے ہیں؟ حکومت نے عوام کے غصے کو ٹھنڈا کرنے کے لئے فوری طور پر اس طرح کا قانون پاس کرنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ وہ یہ بتا سکے کہ ممبئی میں دہشت گردی کے واقعات کے بعد عملی اقدامات کئے ہیں جبکہ اس بات کا اندازہ انہیں بھی اچھی طرح ہے کہ پوٹا اور ٹاڈا کی طرح اس قانون کا بھی غلط استعمال ہونے کا پورا اندیشہ ہے۔ اس نئے قانون کے ذریعے پولیس کو لمبے عرصے تک کسی کو تکلیف پہنچانے کا موقع مل جائے گا لیکن پھر بھی سچائی کو بدل نہیں سکیں گے— کانگریس نے اس وقت یہ فیصلہ کرکے سیاسی فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی ہے کیوں بی جے پی اتنا زیادہ شور مچارہی تھی کہ وہ اس معاملے کو اپنا الیکشن ایشو بنانا چاہتی تھی جس کو کانگریس نے سمجھ کر اس طرح کے قدم اٹھائے ہیں۔ یہ قانون پوٹا سے کچھ معاملوں میں تھوڑا الگ ہے۔ اس میں خاص بات یہ ہے کہ اس میں پولیس تحویل میں ملزم سے لیا گیا اقبالیہ بیان عدالت میں قابل قبول نہیں جبکہ پوٹا میں اسے قبول کیا گیا تھا۔ ہم اس بات کو کیسے کہہ سکتے ہیں کہ مستقبل قریب میں اس کا غلط استعمال نہیں ہوگا کیونکہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے طور طریقوں میں تو کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے اور نہ ہی انہیں اس بات کا پابند بنانے کا کوئی قانون بنایا گیا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ اس قانون کا استعمال ناجائز طور پر نہ کریں۔ میرے خیال میں اس بار قانون کے غلط استعمال کا اندیشہ پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ ہم نے اب تک انسداد دہشت گردی کی کوششوں کے عالمی پہلو کو نہیں دیکھا ہے۔ اس معاملے کو اس طرح سنجیدگی سے نہیں لیا جارہا ہے جیسا کہ ضرورت ہے— ہیمنت کرکرے کی تفتیش کی وجہ سے بی جے پی کا ستارہ ابھی تک جو گردش میں تھا ممبئی حملوں کے بعد اس میں ایک بار پھر نئی توانائی آگئی ہے۔ آئندہ عام انتخابات میں بی جے پی اس کا بڑا فائدہ حاصل کرے گی۔ جہاں تک کانگریس کی بات ہے وہ صحیح معنوں میں کوئی ٹھوس قدم اٹھانے والی نہیں ہے۔ اسے سیاسی نقصان ہونے کے اندیشے بڑھ گئے ہیں۔ میرا ماننا ہے کہ ممبئی حملوں کے تعلق سے ایسے بہت سے سوال رہ گئے ہیں قوم جن کا جواب چاہتی ہے۔ خود ہیمنت کرکرے کی موت کو لے کر بھی سوال اٹھائے گئے جسے فوری طور پر دبا دیا گیا۔ آخر اس میں کیا حرج ہے۔ ممبئی حملوں کے پورے معاملے کی غیر جانبدارانہ انکوائری ہو جائے تاکہ سبھی لوگ مطمئن ہوجائیں۔ ایسا حکومت کو کرنا چاہئے۔ ہندوستان اپنے معاملے کو امریکہ کے سامنے رکھنے کی بجائے سلامتی کونسل میں رکھتا تو زیادہ مناسب ہوتا، کیونکہ ہمیں امریکہ کے پاس جانے سے قبل ایک بار سوچنا چاہئے کہ وہی امریکہ جس نے کسی زمانے میں دہشت گردی کی پشت پناہی کی تھی آج دہشت گردی کے خلاف لڑنے والا ہوگیا؟ (گفتگو پر مبنی)

## نئے قانون کے منصفانہ نفاذ پر کس طرح یقین کیا جاسکتا ہے

**راشد علوی**، ممبر آف پارلیمنٹ راجیہ سبھا، نئی دہلی

میرا ماننا ہے کہ ملک کے قانون میں کوئی کمی نہیں تھی، لیکن ممبئی کے واقعے کے بعد سرکار کے اوپر بڑا دباؤ تھا کیونکہ اپوزیشن ہمیشہ سے یہ کہتی چلی آرہی تھی کہ قانون کی کمی ہے۔ پوٹا کو ختم کردیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ صرف ان کا سیاسی دعویٰ تھا۔ اس میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ بات درست ہے کہ سرکار ممبئی حملوں کو روک پانے میں کہیں نہ کہیں ناکام رہی ہے جس کے لئے وزیر داخلہ اور وزیر اعظم نے قوم سے معافی بھی مانگی۔ شیوراج پاٹل نے استعفیٰ دیا، اس طرح کا دباؤ ممبئی حملے کے بعد اور بڑھ گیا کہ ایک سخت قانون بننا چاہئے۔ اسی لئے سرکار نے یہ قانون بنایا۔ میرا ماننا ہے کہ قانون سے دہشت گردانہ حملے نہیں روکے جاسکتے۔ اگر یہ قانون ممبئی حملوں سے قبل بنایا گیا ہوتا تب بھی ممبئی حملوں کو نہیں روکا جاسکتا تھا۔ اس لئے کہ یہ قانون تو گرفتار کرنے کے بعد ہی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ان کی گرفتاری سے قبل اس قانون کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ چونکہ ایک غلط فہمی ملک کے اندر اپوزیشن نے پیدا کردی تھی جس کی وجہ سے سرکار نے عوام کو مطمئن کرنے کے لئے یہ قانون بنایا ہے۔ حالانکہ ایسا ممکن نہیں ہے کہ اس قانون کے بن جانے کے بعد تمام دہشت گردانہ حملے بند ہوجائیں گے کیونکہ دنیا کے تمام قوانین کی بنیاد صرف اس بات پر ہے کہ آپ جرم کریں گے تو آپ کو سزا ملے گی اور بڑی سے بڑی سزا دنیا میں موت ہے، لیکن جو خود جان دینے کے لئے آرہا ہے اسے کون سا قانون روک پائے گا۔ ہم اس قانون کو صرف سیاسی ہتھیار نہیں کہہ سکتے لیکن جب کسی سرکار پر عوام کا دباؤ کسی معاملے کو لے کر بڑھ جائے تو سرکار بھی مجبور ہوتی ہے کہ عوام کے مطالبات کو تسلیم کرے۔ سرکار نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ انٹیلیجنس کی ناکامی اس حملے کی بڑی وجہ رہی ہے۔ اس لئے اس کمی کو دور کرنے کے لئے سرکار کام کرے گی۔ پولیس ریفارم لائے گی۔ ان سب امور پر توجہ دی جارہی ہے جہاں تک انٹیلیجنس کی ناکامی کی بات ہے یہ ہمارے یہاں بارہا ہوتا رہا ہے۔ اس بات کو لے کر بھی تشویش ہے۔ ہم اس بات سے کیسے مطمئن ہوجائیں کہ یہی پولیس جس نے ٹاڈا اور پوٹا کے نفاذ میں بے تحاشا بددیانتی برتی تھی، اب اس نئے قانون کے متعلق ایمانداری سے کام لے گی۔ ہم نے یہ دیکھا ہے کہ جو لوگ فرقہ پرست ہیں وہ اس طرح کے قانون کا استعمال اپنے ناجائز مقاصد کے لئے کرتے ہیں۔ گجرات اس کی مثال ہے۔ بی جے پی نے ۲۴۷ لوگوں پر پوٹا لگایا تھا جس میں ۲۴۶ مسلمان تھے اور ایک سکھ تھا۔ اگر کسی قانون کا استعمال اس طرح کیا جاتا ہے تو یہ انتہائی غلط بات ہے۔ یہی حال ٹاڈا کا رہا کہ اس کے تحت گرفتار ملزمین میں صرف ڈھائی فیصد کو سزا ہوئی باقی کو بری کردیا گیا، لیکن وہ لوگ جو دس دس سال تک جیلوں میں رہے ان کے خاندان تباہ ہوگئے۔ یہ ایک بہت بڑا سوال ہے، ہم صرف توقع ہی کرسکتے ہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس ملک میں نہ صرف اس قانون کا بلکہ عام طور پر بہت سارے قانون کا غلط استعمال ہوتا ہے۔ پولیس اور عدلیہ دونوں میں اصلاحات کی ضرورت ہے۔ بدعنوانی کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ جب ہم مسلمانوں کی جانب سے حکومت پر سیاسی دباؤ ڈالنے کی ضرورت کی بات کرتے ہیں تو ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ یہ دباؤ سیاسی طاقت سے آتا ہے جو ہندوستان کے مسلمانوں کے پاس نہیں ہے۔ ہم اس سلسلے میں کچھ بھی باتیں کرلیں لیکن ہمارا کوئی بھی دباؤ اسی وقت مؤثر ثابت ہوگا جب ہم سیاسی طور پر مضبوط ہوں گے۔ جب تک مسلمان دوسری سیاسی پارٹیوں کے آلۂ کار کے طور پر کام کرتے رہیں گے ہماری باتوں کا کوئی بھی وزن نہیں ہوگا۔ ہمیں اپنی سیاسی طاقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

(گفتگو پر مبنی)

## سخت قانون کا مطالبہ کرنیوالے ہی دہشت گردی کے ذمہ دار ہیں

**ایس آر دارا پوری**، نائب صدر پی یو سی ایل اتر پردیش یونٹ، لکھنؤ

میرا تجربہ یہ ہے کہ سخت قانون بنانے سے کوئی بھی جرم نہیں رکتا خاص طور سے دہشت گردی کے واقعات جو ہوتے ہیں یہ سب Emotional ہوتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ آج کل دہشت گردی کی جو شکل ہے وہ بہت خطرناک ہے کیونکہ وہ تو خودکشی کے لئے تیار ہوکر آتے ہیں اس لئے قانون اس طرح کی دہشت گردی کو روکنے میں ناکام ہوتا ہے کیونکہ قانون میں آخری سزا موت ہے جس کے لئے وہ تیار ہوکر آتے ہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ پولیس موجودہ قوانین کے تحت اس طرح کے واقعات کے خلاف کارروائی کررہی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ سخت قانون نہ ہونے کی بنا پر کارروائی میں کوئی دشواری تھی۔ دراصل اس وقت گزشتہ کچھ دنوں سے سرکار پر برابر دباؤ ڈال رہی تھی اور وہ اس کو اپنا الیکشن کا ایجنڈا بنانے جارہی تھی کہ پوٹا کی طرح سخت قانون بنایا جائے۔ ممبئی حملوں سے قبل تک تو کانگریس نے اس بات کو مسترد کیا۔ سبھی یہ کہتے رہے کہ موجودہ قانون دہشت گردی سے نمٹنے کے لئے کافی ہے۔ اس واقعے کے بعد دباؤ کافی بڑھ گیا۔ میرے خیال میں یہ قانون سیاسی دباؤ کے تحت بنایا گیا ہے، کسی بھی مسئلے کا حل محض قانون نہیں ہے۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ مسائل پیدا کیوں ہوئے، اس کے اسباب کیا ہیں؟ ہمارے ملک میں اس کی بڑی وجہ فرقہ واریت ہے۔ جس طرح کا فرقہ وارانہ ماحول ہمارے ملک میں بابری مسجد شہید کرنے کے بعد بنا اس کی شروعات وہیں سے ہوتی ہے۔ اس کے فوراً بعد ممبئی میں سیریل دھماکے ہوئے۔ اگر دیکھا جائے تو ہمارے ملک میں دہشت گردی کو جنم دینے والے وہی لوگ ہیں جو آج دہشت گردی کے خلاف سخت قانون بنانے کی بات کرتے ہیں۔ بابری مسجد گرانے کے بعد فرقہ وارانہ فساد ہوئے جس میں مسلمانوں کے ساتھ سرکاری مشینری کی جانب سے امتیازی سلوک کیا گیا۔ اس سے ان کا اعتماد بکھر گیا۔ سرکار جس کی ذمہ داری تھی فسادات کو روکنا اس میں مسلمانوں کے ساتھ سرعام زیادتی کی گئی۔ فسادات میں جن کے پورے خاندان ان کی آنکھوں کے سامنے مار دیئے گئے جنھوں نے یہ ظلم دیکھا ہے۔ ان کے اندر بدلہ لینے کا جذبہ پیدا ہوجانا لازمی ہے۔ ایسے مظلوم لوگ ہی ان دہشت گرد تنظیموں کو مطلوب ہوتے ہیں جن کے جذبات کا استعمال دہشت گردانہ سرگرمیوں کے لئے کیا جاسکتا ہے۔ میرا کہنا یہ ہے کہ جب تک ہم ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی قائم نہیں کریں گے اور اقلیتوں کے ساتھ جو زیادتیاں ہورہی ہیں ان کو نہیں روکیں گے تو ملک میں دہشت گردی کے واقعات کے اندیشے برقرار رہیں گے۔

نئے قانون سے زیادہ ضروری ہے کہ ملک کے اندرونی حالات درست کئے جائیں۔ جب معاشرے کے ایک بڑے طبقے کے ساتھ ناانصافی ہورہی ہو تو ایسے واقعات کا ہونا فطری ہے۔ ہیمنت کرکرے کی جانب سے دہشت گردی کے خلاف اٹھائے گئے اقدامات آگے اسی رخ پر جاری رہیں گے یانہیں تو یہ مہاراشٹر کی حکومت طے کرے گی لیکن ان کی غیر موجودگی سے اتنا ضرور ہوا ہے کہ جس طرح سے ہندتو کی دہشت گردی بے نقاب ہورہی تھی فی الحال اس کی رفتار ست ہوئی ہے جبکہ اس کو اور آگے بڑھانے کی ضرورت ہے تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ اس کی جڑیں کہاں تک ہیں۔ لیکن اس وقت دہشت گردی کی اس شکل پر پردہ ڈالنے کا کام کیا جارہا ہے جو کسی بھی صورت میں ملک کے مفاد میں نہیں ہے۔ مسلمانوں کا اس قانون کے خلاف آواز اٹھانا فطری ہے کیونکہ گزشتہ تجربات یہ بتاتے ہیں کہ ان قوانین کا غلط استعمال سب سے زیادہ مسلمانوں کے خلاف ہوا ہے۔ اس کی کچھ مثالیں بھی ہمارے سامنے ہیں۔ ہم نے یوپی میں کچھ معاملوں کے بارے میں پی یو سی ایل کے تحت جانچ کی ہے جس میں پایا کہ جس لڑکے کو راجستھان پولیس لکھنؤ سے گرفتار کرکے لے گئی ہے شہباز نامی یہ لڑکا ہماری جانچ کے مطابق بالکل بے قصور ہے۔ جس تاریخ میں غازی آباد میں اس لڑکے کی موجودگی بتائی گئی ہے اس تاریخ میں یہ لڑکا لکھنؤ میں موجود تھا۔ اس کے متعلق ہمارے پاس ثبوت موجود ہیں اور یہ مفتی ابوالبشر جس کو گجرات پولیس نے ماسٹر مائنڈ بتا کر گرفتار کیا ہے وہ بھی بالکل بے قصور ہے۔ اس کا حال تو یہ ہے کہ وہ ابھی تک موبائل چلانا بھی نہیں جانتا اور اس کو ماسٹر مائنڈ کہا جارہا ہے۔ اگر ہندتو کی دہشت گردانہ سرگرمیوں کو پولیس نظر انداز کرے گی اور مسلمانوں کو نشانہ بنائے گی تو دہشت گردی رک نہیں سکے گی۔

عوام کے دماغ میں یہ اندیشہ ہونا لازمی ہے کہ ہیمنت کرکرے کی جانچ سے ہندو دہشت گردی کا چہرہ بے نقاب ہونے کے بعد بی جے پی کے اعلیٰ لیڈروں نے جس طرح اے ٹی ایس کو تنقید کا نشانہ بنایا تھا اور ان ملزمین کی حمایت کا اعلان کیا تھا اس سے اس اندیشے کو مزید تقویت اس وقت ملی جب ممبئی حملوں میں ہیمنت کرکرے کے مرنے کی خبر آئی اور فوری طور پر یہ سوال اٹھنے لگے کہ کہیں یہ حملے ہیمنت کرکرے کو ختم کرنے کے لئے تو نہیں کئے گئے تھے؟ حکومت کو چاہئے کہ عوام کو مطمئن کرنے کے لئے اس پورے معاملے پر گہرائی سے جانچ کرائے تاکہ یہ اور اس طرح کے دیگر سوالات کے جواب مل سکیں۔ اس قانون کا دائرہ پوٹا کے مقابلے میں کچھ زیادہ وسیع ہے۔ اب نکسلواد کو بھی اس دائرے میں شامل کردیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر ملزم کے پاس سے کوئی ہتھیار برآمد ہوا تو اس پر بھی اس قانون کے تحت کارروائی ہوگی۔ میرے خیال میں یہ قانون کچھ معاملوں میں پوٹا سے بھی سخت ہے۔ یہ قانون حقوق انسانی کو بہت حد تک ختم کردے گا۔ دہشت گردی سے نمٹنے کیلئے سرکاری کوشش کے تحت ہمیں اپنی چوکسی بڑھانی چاہئے۔ ملک کے حفاظتی انتظامات درست کئے جائیں اور انہیں بہتر سہولیات فراہم کی جائیں۔ تفتیشی ایجنسیوں میں باہم ربط پیدا کرنے کے طریقوں پر غور کرنا چاہئے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ دہشت گردی کے نام پر سیاست نہیں ہونی چاہئے۔ بی جے پی اس طرح کی سرگرمی ہندو وادیوں کے ذریعے کئے جانے پر اسے راشٹر واد کا نام دیتی ہے۔ اگر اس طرح سے ایک غلط کام کو جائز ٹھہرانے کا کام کریں گے تو پھر دہشت گردی سے کیسے نمٹا جائے گا۔ پولیس کو پابند بنانا ہوگا کہ قانون کے نام پر کارروائی میں کسی بے قصور کو پریشان نہ کرے۔ (گفتگو پر مبنی)

> ہیمنت کرکرے کی جانب سے دہشت گردی کے خلاف اٹھائے گئے اقدامات آگے اسی رخ پر جاری رہیں گے یانہیں تو یہ مہاراشٹر کی حکومت طے کرے گی لیکن ان کی غیر موجودگی سے اتنا ضرور ہوا ہے کہ جس طرح سے ہندتو کی دہشت گردی بے نقاب ہورہی تھی فی الحال اس کی رفتار ست ہوئی ہے جبکہ اس کو اور آگے بڑھانے کی ضرورت ہے تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ اس کی جڑیں کہاں تک ہیں۔ لیکن اس وقت دہشت گردی کی اس شکل پر پردہ ڈالنے کا کام کیا جارہا ہے جو کسی بھی صورت میں ملک کے مفاد میں نہیں ہے۔

## پولیس کو دیئے گئے قانونی اختیارات پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے

**جاوید آنند**، جرنلسٹ ومعروف سماجی کارکن، ممبئی

۲۶رنومبر سے قبل تک کانگریس یہ کہتی رہی ہے کہ دہشت گردی سے نمٹنے کے لئے ملک کے موجودہ قوانین کافی ہیں۔ لیکن ان حملوں کے بعد اچانک کانگریس کے موقف میں تبدیلی آئی جبکہ سبھی یہ جانتے ہیں کہ ٹاڈا اور پوٹا کا غلط استعمال ہوا ہے۔ خاص طور سے مسلمانوں کے خلاف کافی استعمال کیا گیا حقوق انسانی کمیشن بار بار یہ کہتا رہا ہے کہ پولیس کے ہاتھ میں سخت قانون دینے سے نقصان ہی ہوتا ہے۔ اس طرح کے سخت قانون سے تفتیشی ایجنسیوں کی Skill پر کافی اثر پڑتا ہے کیونکہ وہ بنا کسی تفتیش کے ملزم کو مجرم کے کٹہرے میں کھڑا کردیتی ہیں۔ پارلیمنٹ میں اس پر ضروری بحث ہوئے بغیر اسے پاس ہونے دیا گیا کیونکہ سب سے بڑی پوزیشن اس بل کے حق میں تھی اور جو دوسرے لوگ تھے انھوں نے بھی حالات کے پیش نظر کوئی مخالفت نہیں کی۔

جہاں تک اس قانون کے غلط استعمال پر روک کی بات ہے تو ہم صرف توقع ہی کرسکتے ہیں لیکن اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ اب پولیس اس قانون کا استعمال اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کے لئے نہیں کرے گی۔ اب تک یہ ہوتا رہا کہ پولیس نے جس کو چاہا دہشت گردی کے الزام میں گرفتار کرکے پوٹا لگادیا اور کچھ دنوں تک جیل میں رکھنے کے بعد آخر میں یہ کہہ دیا کہ اس کے خلاف کوئی جرم ثابت نہیں ہوا۔ اس پر پولیس سے کوئی مواخذہ نہیں کیا جاتا ہے۔ سخت قانون بنا کر پولیس کے ہاتھ میں ایک بار پھر بڑا خطرناک ہتھیار دے دیا گیا ہے جبکہ اس طرح کے قانون کے خلاف حقوق انسانی کے تحفظ کے لئے کام کرنے والے ادارے ہمیشہ سے آواز بلند کرتے رہے ہیں لیکن اس پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ ہر نیا قانون شہریوں کے حقوق چھیننے والا ہی ہوتا ہے۔ جہاں تک سرکاری ایجنسیوں کی کارکردگی کی بات ہے۔ انھوں نے وقت رہتے اقدام نہیں کئے اس کے لئے خفیہ اداروں کی کمزوری بھی شامل رہی ہے کہ سمندری راستے سے اتنا زیادہ دھماکہ خیز مادہ ملک کی سرحد میں داخل ہوگیا اور آخر تک اس کا پتہ نہیں چل سکا۔ صحیح معنوں میں ان کی کارکردگی کو بہتر بنانے اور انہیں جوابدہ بنانے کی ضرورت ہے۔ دہشت گردانہ واقعات کے شکار ملک میں سب سے زیادہ مسلمان ہیں کیونکہ ایک تو وہ ان حادثات میں بھی مارے جاتے ہیں اور ان واقعات کی ہونے والی تفتیش میں بھی مسلمان ہی نشانے پر ہوتے ہیں جبکہ مسلمانوں کی جانب سے دارالعلوم دیوبند جیسے مؤقر ادارے نے بڑے پیمانے پر کانفرنسوں کے ذریعے یہ پیغام عام کیا کہ ہم دہشت گردی کے خلاف ہیں جس کا اثر دیکھنے کو ملا کہ یہ بات میڈیا میں بھی آنے لگی کہ مسلمان اس کے خلاف ہیں۔ اس سے ہندوؤں پر بھی دباؤ بنا کہ ہندو بھی اس کی مذمت کریں۔ مسلمانوں کی جانب سے اٹھایا گیا یہ بڑا اقدم ہے۔ ہمیں اس کی تائید کرنی چاہئے۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ ممبئی حملوں کی خبر ملتے ہی ملک بھر کے لوگوں کا ذہن اس طرف گیا کہ ان حملوں میں ہیمنت کرکرے کا مارا جانا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ان دھماکوں میں ہندو دہشت گرد ہوسکتے ہیں، لیکن بعد میں جب اس پورے معاملے پر رپورٹیں آئیں تو اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ سرحد پار سے کیا گیا حملہ تھا۔ ملک میں دہشت گردی کے واقعات نہ ہوں اس کے لئے کچھ اہم اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ خاص طور سے پولیس کو دیئے گئے قانونی اختیارات پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ وہ ٹھیک طرح سے کام کرے۔ بے گناہ لوگوں کو پریشان کرنے کے لئے اس قانون کا غلط استعمال نہ ہو اور جو حقیقی مجرم ہیں ان کو کٹہرے میں کھڑا کرنے میں کوئی بے توجہی نہ کی جائے۔ اگر یہ دو باتیں ہوں تو دہشت گردی سے نمٹنے میں مدد ملے گی۔ عام شہریوں کا اعتماد پولیس اور سرکاری ایجنسیوں کے تئیں بحال ہوگا۔ (گفتگو پر مبنی)

> سخت قانون بنا کر پولیس کے ہاتھ میں ایک بار پھر بڑا خطرناک ہتھیار دے دیا گیا ہے جبکہ اس طرح کے قانون کے خلاف حقوق انسانی کے تحفظ کے لئے کام کرنے والے ادارے ہمیشہ سے آواز بلند کرتے رہے ہیں لیکن اس پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ ہر نیا قانون شہریوں کے حقوق چھیننے والا ہی ہوتا ہے۔

## سیاہ قانون نہیں دیانتداری اور قوت ارادی کی ضرورت ہے

**محمد صبغة الله ندوی**

اسے ملک کا المیہ کہا جائے یا سیاست کی بازیگری کہ جب بھی ملک میں دہشت گردی کا شور ہوتا ہے یا اس پر قابو پانے کی بحث چھڑتی ہے تو بات گھوم پھر کر دہشت گردی مخالف سیاہ قانون ہی پر آتی ہے۔ ماضی میں بار بار اس کا تلخ اور ناکام تجربہ ہونے کے باوجود اس مرض کی ایک ہی دوا سیاہ قانون کی تشخیص کی جاتی ہے۔ حکومت اور سیاسی پارٹیاں نئے نئے نام سے نیا نیا قانون بنوا کر یہ تاثر دینے کی کوشش کرتی ہیں کہ دہشت گردی کے خاتمے کے تئیں ان کی جو ذمہ داری تھی وہ اسے پوری کررہی ہیں۔ آگے قانون کیا کرتا ہے، ملک اور سماج پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ہے یا کچھ اور مسائل پیدا کرتا ہے۔ اس سے انہیں کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ جب سے ملک میں دہشت گردی کا مسئلہ پیدا ہوا ہے اور اس کے خاتمے کی بحث چھڑی ہے۔ پوری صورتحال سب کے سامنے ہے۔ ہر کوئی محسوس کرسکتا ہے کہ مسئلہ کیا ہے اور کون کہاں کھڑا ہے؟

دراصل جب بھی ملک میں دہشت گردی کی بحث چھڑتی ہے تو اس کی روک تھام کی باتیں تو خوب بڑھ چڑھ کر کی جاتی ہیں لیکن بنیادی مسئلے پر کبھی بھی غور نہیں کیا جاتا کہ دہشت گردی کی حقیقت کیا ہے؟ اس کے اسباب ومحرکات کیا ہیں؟ ملک میں دہشت گردی کے واقعات بند کیوں نہیں ہورہے ہیں؟ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سیاہ قانون کی موجودگی اور عدم موجودگی دونوں میں صورتحال یکساں رہتی ہے۔ کوئی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ سیاہ قوانین کی موجودگی میں دہشت گردی کے واقعات رونما نہیں ہوتے کیونکہ ہمارے سامنے پارلیمنٹ اور گجرات کے اکشردھام مندر پر حملے کی مثالیں ہیں جو اس وقت ہوئے تھے جب ملک میں سیاہ قانون پوٹا نافذ تھا اور وہ بھی ایسے حملوں کی روک تھام میں ناکام رہا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حقیقت میں دہشت گردی کا مرض کچھ اور ہوتا ہے اور علاج کچھ اور تلاش کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے علاج بھی آگے چل کر خود ایک مرض بن جاتا ہے۔ پھر اس کے علاج کی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں جیسا کہ ٹاڈا اور پوٹا کے نفاذ کے بعد سبھی نے دیکھا اور محسوس کیا۔

پہلے ٹاڈا پھر پوٹا کے تلخ اور ناکام تجربے، بہت بڑے پیمانے پر اس کے غلط استعمال اور اس سے ہونے والی انسانی حقوق کی پامالی کے بعد ملک کا ایک بہت بڑا طبقہ اس پہلو سے سوچنے لگا تھا کہ ملک میں ایسے قوانین نہیں بنیں تو بہتر ہیں کیونکہ دہشت گردی سے جتنے لوگوں کی زندگی خراب ہوتی ہے اس سے کئی گنا زیادہ لوگوں کی زندگی سیاہ قوانین سے خراب ہوجاتی ہے۔ ٹاڈا اور پوٹا کے خاتمے کے وقت مرکزی حکومت نے بھی کچھ اسی طرح کے احساسات کا اظہار کیا تھا۔ مرکز کی موجودہ یو پی اے سرکار پوٹا کے خاتمے کے بعد نہ معلوم کتنی بار یہ بات دہرا چکی تھی کہ دہشت گردی کی روک تھام یا خاتمے کے لئے کسی نئے سیاہ قانون کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ موجودہ قوانین ہی اس پر قابو پانے کے لئے کافی ہیں لیکن ممبئی کے حملوں کے بعد اچانک اس کے موقف میں ایسی تبدیلی آئی جس کی توقع کم از کم عوام موجودہ سرکار سے نہیں کرسکتے تھے۔ اس تبدیلی کی وجہ کیا ہے؟ اچانک اس کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ حکومت نے اپنے ہی وعدوں، یقین دہانیوں اور پالیسی وپروگرام کی خلاف ورزی کرکے ایک بار پھر ملک وقوم کو ایک نئے سیاہ قانون کے حوالے کردیا۔

یہ غور طلب ہے کہ حکومت نے اس کے لئے باقاعدہ کوئی نیا قانون نہیں بنایا بلکہ بہت

باقی صفحہ ۶ پر

> دہشت گردی کے خاتمے کے لئے جس نیک نیتی، خلوص، دیانتداری اور قوت ارادی کی ضرورت ہوتی ہے وہ ہمیشہ مفقود رہتی ہے۔ ملک میں دہشت گردی کے واقعات بڑھنے کی بنیادی وجہ بھی یہی ہے۔ جب تک ہمیں یہی نہیں پتہ ہوگا کہ دہشت گردی کے اسباب ومحرکات کیا ہیں، اس کے اصلی چہرے کون کون ہیں؟ ان کے مقاصد اور عزائم کیا ہوتے ہیں؟ اس کا خاتمہ کیسے ہوسکتا ہے؟ صرف مفروضات کی بنیاد پر یا کچھ مخصوص نظریات کے حامل لوگوں کے نظریہ کی بنیاد پر کارروائی سے دہشت گردی کی روک تھام نہیں ہوسکتی، وہ بھی ایسے لوگوں کے نظریہ کی بنیاد پر جن کی سرگرمیاں خود مشکوک اور غیر قانونی ہوتی ہیں۔

فکر معاصر

## نیا سیاسی محاذ

آخرکار ریاست آندھراپردیش میں تلگو دیشم پارٹی، تلنگانہ راشٹریہ سمیتی اور بائیں بازو میں انتخابی مفاہمت ہوگئی ہے۔ تمام گلے شکوے فراموش کرکے تلگودیشم پارٹی کے سربراہ چندرابابو نائیڈو اور ٹی آرایس کے بانی چندر شیکھر راؤ نے ایک دوسرے کے مکان پر ملاقات کی۔ یہ بات تو پہلے ہی سے طے شدہ تھی کہ کانگریس پارٹی مجوزہ انتخابات میں کسی بھی پارٹی سے مفاہمت نہیں کرے گی اور یہ بھی باور کیا جارہا تھا کہ کانگریس کے خلاف ریاست کی دیگر بڑی جماعتیں متحد ہوجائیں گی۔ یہ اتحاد تقریباً طے ہوچکا ہے، البتہ اس کا باقاعدہ اعلان سنکرانتی کے تہوار کے بعد کیا جائے گا۔ سیاسی مبصرین کا خیال ہے کہ یہ اتحاد کانگریس پارٹی کے لئے مجوزہ انتخابات میں کئی دشواریاں پیدا کرسکتا ہے۔ تلگودیشم اور ٹی آرایس دونوں ہی پارٹیاں اپنا اپنا ووٹ بینک بھی رکھتی ہیں۔ ٹی ڈی پی کے پاس تو منظم کیڈر بھی ہے۔ ان دونوں کے علاوہ بائیں بازو کی جماعتیں مارکسسٹ کمیونسٹ پارٹی اور کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کا اپنا کیڈر ہے۔ ووٹ بینک کے لحاظ سے کمیونسٹ پارٹیوں کا کوئی بڑا حصہ نہیں ہے۔ ٹی آرایس علیٰحدہ تلنگانہ ریاست کے مسئلے پر ایک مضبوط موقف رکھتی ہے۔ اگرچہ حالیہ ضمنی انتخابات میں سولہ نشستوں پر ٹی آرایس کو نمایاں کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اس میں بھی ٹی آرایس نے سب سے زیادہ نشستوں پر کامیابی حاصل کی تھی۔ علیٰحدہ تلنگانہ کا جذبہ ختم نہیں ہوا۔ یہ ممکن ہے کہ جذبے میں وہ شدت نہ رہی ہو جو آج سے لگ بھگ ایک سال پہلے تھی۔ علاقہ تلنگانہ میں ریاست کے ۲۹۴ کے منجملہ تقریباً ۱۱۹ سیٹیں بتائی جارہی ہیں جو ایک قابل لحاظ تعداد ہے۔ علیٰحدہ تلنگانہ کا مطالبہ ٹی آرایس کا ہے۔ تلگو دیشم نے بھی علیٰحدہ تلنگانہ کا مطالبہ تسلیم کرلیا ہے۔ دونوں میں سے ایک کمیونسٹ پارٹی بھی ٹی آرایس کے موقف کی حامی ہے۔ اس لحاظ سے تلنگانہ میں یہ نیا اتحاد مؤثر ثابت ہوسکتا ہے۔ ساحلی آندھرا میں کانگریس، چرنجیوی کی نئی پارٹی پرجاراجیم اور تلگودیشم کے درمیان سخت مقابلہ متوقع ہے۔ رائل سیما میں بھی کانگریس کے لئے انتخابی کامیابی آسان نہیں ہے۔ اس انتخابی مفاہمت کے بعد صورتحال میں کافی تبدیلی رونما ہوسکتی ہے۔ کانگریس کا تنہا مقابلہ کرنے کا فیصلہ اس نئے محاذ کے قیام کے پس منظر میں غور طلب ضرور ہوگیا ہے۔ تلگو دیشم پارٹی کو کسی کمزور موقف کی حامل پارٹی سمجھنا بھی صحیح نہیں ہے۔ چرنجیوی کی بڑھتی ہوئی مقبولیت بھی کانگریس کے لئے تشویش کی بات ہے۔ کمیونسٹ پارٹیوں کا تو صرف مخصوص حلقوں میں زور ہوتا ہے۔ ساری ریاست میں نہ تو یہ پارٹیاں خودکوئی بڑا دعویٰ کرتی ہیں اور نہ اپنے حلقوں کے علاوہ کسی دوسری جگہ طاقتور امیدوار کھڑا کرتی ہیں۔ البتہ تمام سیاسی پارٹیوں میں سب سے بہتر اور مستحکم کیڈر ان ہی کمیونسٹ پارٹیوں کا ہے۔ چرنجیوی کی پارٹی کیڈر کے معاملے میں ابھی کوئی واضح شناخت نہیں بناسکی۔ اس پارٹی کی انتخابی مہم اب بھی چرنجیوی کی شخصیت کے اطراف گھوم رہی ہے۔ اندازہ یہ لگایا جارہا ہے کہ عام انتخابات ماہ مارچ یا اپریل میں منعقد ہوں گے۔ اس لحاظ سے تمام پارٹیوں کے لئے وقت بھی کم رہ گیا ہے۔ ہر پارٹی اپنے تنظیمی ڈھانچے کو بہتر بنانے کی کوشش میں مصروف ہوگئی ہے۔ جہاں تک نئے محاذ کا تعلق ہے، اس کا بنیادی ڈھانچہ یقیناً کانگریس یا چرنجیوی کی پرجاراجیم پارٹی سے جداگانہ نوعیت کا ہے۔ نئے محاذ نے ابھی تک اپنے پروگرام اور پالیسیوں کا کوئی اعلان نہیں کیا ہے۔ یہ بات آئندہ معلوم ہوگی کہ آیا اس محاذ میں شامل تمام پارٹیاں اپنی اپنی سیاسی شناخت رکھتے ہوئے انتخابات میں حصہ لیں گی یا پھر محاذ کی اپنی علیٰحدہ شناخت ہوگی۔ محاذ میں شامل پارٹیاں اس بات کو ترجیح دیں گی کہ ان کی اپنی شناخت اور ان کا اپنا انتخابی نشان برقرار رہے۔ اس معاملے میں سب سے بڑا مسئلہ پرجاراجیم پارٹی کو درپیش ہے کیونکہ ابھی اس کا شمار تسلیم شدہ سیاسی پارٹیوں میں نہیں ہوا ہے۔ اس لئے اس کے امیدواروں کو ہر حلقے میں علیٰحدہ نشان بھی دیا جاسکتا ہے۔

(منصف، حیدرآباد)

# دعوت دین کیلئے اسلام کے اساسی علوم کا جاننا اور اس پر عمل ضروری ہے

ابو نصر فاروق، خطیب جمعہ، جامع مسجد، رمنہ، پٹنہ

اسلام کو جہاں دین حق کہا جاتا ہے وہیں اس کو دین دعوت بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی یہ وہ دین ہے جس کے ماننے والوں پر اس کے نہ ماننے والوں کو اس دین کی طرف بلانا بھی فرض ہے۔ ہر مسلمان کو دین کی دعوت کا کام کرنا ہے۔ قرآن میں حکم آیا ہے: ''لوگوں کو اللہ کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کرو''۔ اچھے طریقے کا مطلب ہے کہ کٹ حجتی کے لئے نہیں بلکہ سمجھانے کے لئے دلائل دو۔ اور اگر یہ دیکھو کہ مخاطب بات سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہے تو کہو کہ آپ پر سلامتی ہو اور بات ختم کردو۔ زبردستی قائل کرنے کی کوشش مت کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''اگر تم کو میری ایک بات بھی معلوم ہے تو اسے دوسروں کو بتاؤ''۔ تمام اہل حق اور اہل علم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ دین کا مبلغ اور داعی صرف عالم دین نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان ہے، خواہ وہ پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ ہو۔ درحقیقت پڑھنا لکھنا ایک چیز ہے اور دین کی معلومات رکھنا دوسری چیز ہے۔ سچ بولنا اور انصاف کرنا ایسی صفت ہے جو پڑھنے لکھنے سے ہی نہیں پیدا ہوتی۔ ان پڑھ انسان بھی ان صفات کو جانتا ہے اور ان پر عمل کرسکتا ہے۔ دین علمی موشگافیوں کا نام نہیں، علم پر عمل کرنے کا نام ہے جس کا تعلق معلومات کے ساتھ مشق پر ہے۔

**اس سلسلے میں یہ بات یادرکھنی چاہئے کہ دین کی دعوت کا کام صرف درس وتقریر اور تحریر سے نہیں کیا جاتا ہے، بلکہ سب سے زیادہ اخلاق اور کردار سے کیا جاتا ہے۔ ایک نیک اور صالح انسان کا عمدہ اخلاق اور کردار، اس کی سیدھی اور سچی بات، اس کے صاف ستھرے معاملات اور لین دین، بندگان خدا کے ساتھ اس کی محبت اور خدمت وہ چیزیں ہیں جو دین کی دعوت دینے کا مؤثر ترین ذریعہ ہیں۔**

دین سے دوری، غفلت اور لاعلمی کی وجہ سے جہاں مسلم معاشرے میں بے شمار خرابیاں پیدا ہوئی ہیں وہیں یہ تصور بھی پیدا ہوگیا ہے کہ شریعت پر عمل کرنا اور سنت کی پیروی کرنا تو علم دین رکھنے والوں اور مذہبی امور کا اہتمام کرنے والوں کی ذمہ داری ہے۔ عام مسلمان تو اپنی دنیاداری میں لگا رہے گا اس کو ان چیزوں کی فرصت کہاں ہے۔ یہ تصور ایک کھلی ہوئی جہالت ہے۔ اس تصور کا رکھنے والا چاہے پڑھنے لکھنے کے معاملے میں جتنی بھی ترقی کرجائے جاہل ہی کہلائے گا۔ یورپ اور امریکہ اس وقت ترقی کی بلندیوں پر پہنچے ہوئے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ جہالت اور گمراہی کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں اس لئے کہ انھوں نے نہ خدا کو جانا، نہ اس کے آخری نبی کو پہچانا اور نہ ہی قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی کتاب تسلیم کیا۔

جن لوگوں کو یہ حقیقت سمجھ میں آجائے کہ دین کی دعوت دینا ان پر مسلمان ہونے کی حیثیت سے فرض ہے ان کے سامنے یہ مسئلہ کھڑا ہوگا کہ کام کی شروعات کیسے کی جائے؟ اس سلسلے میں یہ بات یادرکھنی چاہئے کہ دین کی دعوت کا کام صرف درس وتقریر اور تحریر سے نہیں کیا جاتا، بلکہ سب سے زیادہ اخلاق اور کردار سے کیا جاتا ہے۔ ایک نیک اور صالح انسان کا عمدہ اخلاق اور کردار، اس کی سیدھی اور سچی بات، اس کے صاف ستھرے معاملات اور لین دین، بندگان خدا کے ساتھ اس کی محبت اور خدمت وہ چیزیں ہیں جو دین کی دعوت دینے کا مؤثر ترین ذریعہ ہیں۔ پٹنہ میں ایک صاحب ہوا کرتے تھے جو دکانداروں کا سامان اسٹیشن سے اپنے رکشہ ٹھیلے پر لایا کرتے تھے۔ وہ معمولی آدمی تھے کوئی عالم فاضل نہیں تھے۔ مگر ان کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ بہت سچے اور ایماندار آدمی ہیں۔ غیر مسلم اور اسٹیشن کے ذمہ داران پر بے انتہا اعتماد کرتے تھے۔ ایک مسلمان کیسا ہوتا ہے اور اسلام کیسے انسان بناتا ہے اس کی تبلیغ اس خدا کے بندے نے جتنی کی، بڑے بڑے عالم فاضل اپنی تقریروں سے وہ کام نہیں کرسکے۔ ایک بہت اعلیٰ درجے کا علم رکھنے والا عالم اگر کردار اور اخلاق کے اعتبار سے کچا ہو تو وہ دین کا کچھ بھی کام نہیں کرسکے گا۔ اس لئے کہ ناقص عمل، علم کی اہمیت کو کم کردیتا ہے۔ اہل علم کے نزدیک عالم دین وہی مانا جاتا ہے جو عمل کے میدان کا بھی مجاہد ہو۔ مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت اپنے روزمرہ کے معمولات اور مشغولیات سے غیر مسلموں اور خود بگڑے ہوئے مسلمانوں کے درمیان اشاعت دین کا کام کرسکتی ہے، بشرطیکہ وہ اس کا شعور رکھتی ہو اور اس کے لئے آمادہ ہو۔

دوسرا اہم طریقہ دین کی دعوت کا قرآن اور سنت اور احکام شریعت سے لوگوں کو واقف کرانا ہے۔ جو لوگ دین کے جانکار سمجھے جاتے ہیں ان دنوں ان کے درمیان زبردست تفرقہ، مخالفت، عداوت، گروہ بندی، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش اور انتشار پایا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے اپنے اس رویے سے عام مسلمانوں کو دین اور شریعت سے بیزار بنادیا ہے۔ بے دین لوگ یہ کہتے دکھائی دیتے ہیں کہ کیا ہوا ہم نماز نہیں پڑھتے، اس داڑھی والے نمازی سے تو اچھے ہیں جو لوگوں کو دوسرے فرقے کے خلاف بھڑکاتا رہتا ہے۔ میرے خیال میں مسلم معاشرے پر اس سے برا وقت شاید نہیں گزرا ہے۔ یعنی جن لوگوں کو دین کا پاسدار، علم بردار اور محترم ہونا چاہئے تھا، عوام کے درمیان ان کی عزت اور آبرو ہی باقی نہیں ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ لوگ اب دین حق کی اشاعت نہیں کر رہے ہیں۔ اس کی جگہ اپنے مخصوص نظریات اور تصورات کی اشاعت میں لگے ہوئے ہیں اور اسی وجہ سے ان کے درمیان یہ رسہ کشی ہے۔ اگر یہ دین حق کی دعوت اور اشاعت کرتے تو ان کے درمیان یہ تفرقہ بازی نہ ہوتی۔

دنیا میں مسلمانوں کے پچیسوں مسلک ہیں اور ہر مسلک پر مسلمان عمل کررہے ہیں۔ اس کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب لوگ حج کرنے جاتے ہیں۔ طرح طرح سے نماز پڑھنے والے اور عبادت کرنے والے دکھائی دیتے ہیں۔ مگر اس فرق کے باوجود وہ آپس میں کبھی جھگڑا نہیں کرتے۔ مسلمانوں کے کسی ملک سے یہ خبر نہیں آتی ہے کہ وہاں دو مسلک کے مسلمانوں کے درمیان فساد ہوگیا۔ لیکن ہمارے ملک میں آئے دن یہ خبریں ملتی رہتی ہیں کہ مسجد میں مار پیٹ ہوگئی۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کے پاس دین نہیں ہے، بلکہ ان کے خود ساختہ خیالات اور تصورات ہیں جن کی پیروی میں وہ لگے ہوئے ہیں۔

ہم نے یہ تذکرہ اس لئے کیا ہے کہ جو نوجوان دین کی دعوت اور اشاعت کا جذبہ رکھتے ہیں وہ ان حقائق کو سمجھ لیں اور اپنے کام کو اس طرح کے فسادات سے دور رکھیں۔ دین کی دعوت اور اشاعت کا کام بنیادی طور پر قرآن کے ذریعے کیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شروع سے آخر تک قرآن کریم کے ذریعے ہی بندگان خدا کو دین کی دعوت دیتے رہے۔ قرآن کریم کو چھوڑ کر جہاں کسی اور چیز کو دعوت کی بنیاد بنایا جارہا ہے وہاں دین حق کی نہیں کسی خاص نظریہ کی تبلیغ کی جارہی ہے۔ علمی بنیادوں پر دین کی دعوت کا کام کرنے والوں کو قرآن کریم سے خود کو جوڑنا ہوگا اور قرآن کریم کا علم زیادہ سے زیادہ حاصل کرنا ہوگا۔ قرآن کریم کی بات محکم، پختہ، مضبوط اور ثابت شدہ بات ہے۔

قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے ترجمہ اور تفسیر کو پڑھنا ہوگا۔ بعض لوگ یہ غلط فہمی پیدا کرتے ہیں کہ عربی جانے بغیر قرآن کریم کو سمجھا نہیں جاسکتا۔ ترجمہ اور تفسیر سے قرآن کریم کو سمجھنا ممکن نہیں ہے۔ یہ ایک گمراہ کرنے والی بات ہے۔ جب قرآن کریم کو ترجمہ اور تفسیر سے سمجھا ہی نہیں جاسکتا تو بڑے بڑے عالموں نے قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر کس لئے لکھا ہے؟ ایسے لوگوں کے مطابق گویا ان لوگوں نے ایک بیکار عمل کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اچھے سے اچھا عالم بھی قرآن کریم کی اردو ترجمہ اور تفسیر کو دیکھے بغیر قرآن کریم پر کچھ نہیں بول سکتا۔ جب عالم قرآن کے اردو ترجموں کا محتاج ہے تو عام آدمی اس سے فائدہ کیوں نہیں اٹھا سکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن احکام کی کتاب ہے۔ قرآن کے احکام عالم کے لئے بھی ہیں اور عام آدمی کے لئے بھی۔ احکام کو سمجھنے کے لئے عربی جاننا ضروری نہیں ہے۔ اس کے لئے عقل سلیم کی ضرورت ہے۔ احکام کے ساتھ ساتھ قرآن اسلامی قانون کی اساسی کتاب ہے۔ اسلامی قانون کی باریکیوں کو سمجھنا اور ان پر فتویٰ دینا عام آدمی تو کیا عالم کے بس کی بات بھی نہیں ہے۔ یہ کام بہت اعلیٰ درجے کے ماہرین کرسکتے ہیں۔ اس معیار اور مرتبے کے عالم پورے ملک میں شاید گنتی کے چند ہی ہوں گے۔ ہر مترجم اور مفسر نے غیر عربی داں کو قرآن کریم سمجھانے کے لئے ہی ترجمہ اور تفسیر لکھی ہے۔ عام مسلمانوں کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور ہر تفسیر کو پڑھنا چاہئے۔ جب وہ ان کا مطالعہ کرے گا تو اس کو پتہ چلے گا کہ کسی ایک ترجمہ یا تفسیر کو پڑھنے سے اس کو وہ فائدہ نہیں ہوا جو کئی تفسیروں کو پڑھنے سے ہوا ہے۔

قرآن کریم کا علم حاصل کرنا آسان ہے، لیکن حدیث کا علم حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ اس حقیقت کو میں ایک مثال سے سمجھاتا ہوں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ حدیثوں کو قبول کرنے کے معاملے میں بہت احتیاط برتتے تھے۔ بہت چھان پھٹک کر حدیث قبول کیا کرتے تھے۔ انھوں نے لاکھوں حدیثیں یاد کی تھیں۔ ان کی مشہور کتاب بخاری میں چند ہزار حدیثیں ہی ہیں۔ غور کیجئے کہ باقی حدیثیں کہاں گئیں۔ بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ امام بخاری نے حدیث کی صرف ایک کتاب بخاری ہی نہیں لکھی ہے۔ حدیث کی ان کی ایک اور کتاب بھی ہے جس کا نام ادب المفرد ہے۔ انھوں نے حدیثوں کے انتخاب کا جو معیار بنایا تھا اس پر جو حدیثیں اتریں انہیں، انھوں نے کتاب البخاری میں جمع کیا اور جو حدیثیں اس معیار پر نہیں اتریں ان کو انھوں نے ادب المفرد میں جمع کیا۔ کوئی شخص اگر صرف بخاری کو پڑھے اور ادب المفرد کو نہ پڑھے تو گویا وہ امام بخاری کے پورے کام کی نفی کررہا ہے اور ان کی قدر کرنے کا جو تقاضا ہے اس کو پورا نہیں کررہا ہے۔ اسی طرح حدیث کے جمع کرنے والے اور پیش کرنے والے صرف امام بخاری ہی نہیں ہیں اور بھی محدثین ہیں۔ حدیث کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ تمام محدثین کے کام کا اقرار کیا جائے۔ اگر کسی ایک محدث کے کام کو دین کی دعوت کی بنیاد بنایا جائے گا تو اس سے گمراہی کے سوا کچھ نہ پھیلے گا۔ امام بخاری نے لاکھوں حدیثوں میں سے صرف چند ہزار حدیثیں ہی کیوں لیں، جبکہ وہ لاکھوں حدیثیں صحیح تھیں۔ اگر وہ صحیح نہ ہوتیں تو وہ ان کو قبول ہی نہیں کرتے۔ دراصل علم حدیث کا وہ فن جس کی بنیاد پر حدیثوں کو قبول یارد کیا جاتا ہے، پہلے اس کو سیکھنا پڑے گا۔ پھر حدیث کا علم حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرا فن اسماء الرجال کا ہے۔ اس کو سیکھنا پڑے گا تاکہ راویوں کا حوالہ دیا جاسکے۔ اہل علم کے نزدیک صرف یہ لکھ دینا کہ یہ حدیث فلاں حدیث کی کتاب میں ہے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ جب حدیث کا مفہوم بیان کرتے ہوئے بات کی جاتی ہے تو اہل علم جانتے ہیں کہ لکھنے والے یا بولنے والے کے سامنے کون سی حدیث ہے۔ پھر حدیث کی پچاسوں قسمیں ہیں، ان کو یاد کرنا ہوگا کہ کس حدیث کی کیا حیثیت ہے۔

دوسری بات یہ کہ حدیث کی جو عبارت ہے وہ سب کی سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان نہیں ہے۔ بہت کم حدیثیں ایسی ہیں جو پوری کی پوری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں بیان کی گئی ہیں۔ عام طور پر سننے والے نے جو سنا یا دیکھا اس کو اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ حدیثیں اصحاب رسولؐ کا قول اور بیان ہیں۔ اب آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ قرآن کریم کے مقابلے میں حدیثوں کی عبارت کی کیا حیثیت ہے۔ انہی حقائق کی وجہ سے مسلمانوں میں ایک ایسا فرقہ بھی پیدا ہوا جس نے حدیثوں کو قابل اعتبار ہی نہیں سمجھا۔ اس نے کہنا شروع کیا کہ دین کو صرف قرآن کریم سے سمجھا جائے گا۔ حدیثوں میں بہت تحریف کی گئی ہے اس لئے حدیثوں کے چکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بھی ایک فتنہ ہی ہے۔ حدیثوں کا سرے سے انکار کردینا دراصل دین کی عملی صورت کا انکار کردینا ہے۔ جب احادیث کو پڑھیں گے ہی نہیں تو قرآن کریم کے احکام کی وضاحت کہاں سے ہوگی؟

**اشاعت دین کا کام کرنے کے لئے ایک اور احتیاط بہت ضروری ہے۔ کسی مسلک کی طرف، کسی جماعت کی طرف، کسی خاص طرز عمل کی طرف، یا کسی خاص شخصیت کی طرف لوگوں کو کبھی دعوت نہیں دی جائے گی۔ ایسا کرنا دعوت کے کام کو برباد کرنا ہوگا۔ مسلک، جماعت، نظریات اور افراد کا آپسی اختلاف دین فہمی کی راہ میں زبردست رکاوٹ بن جاتا ہے۔**

حدیث کے سلسلے میں ایک بات اور سمجھنے کی ہے۔ ایک چیز ہے حدیث اور دوسری چیز ہے سنت۔ ہر سنت حدیث سے ثابت ہے لیکن ہر حدیث سنت نہیں ہے۔ سنت کا مطلب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اور طرز عمل۔ ضروری نہیں ہے کہ حدیث میں جو بات کہی جارہی ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل بھی رہا ہو۔ کسی دوسرے نے کوئی کام کیا یا نہیں کیا اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواز کا حق دے دیا تو وہ حدیث میں تو بیان کردی گئی لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نہیں ہے۔ جبکہ سنت ان اعمال کو کہتے ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا بھی اور اس کو کرنے کا تاکید کے ساتھ حکم بھی دیا ہے۔ حدیث پر سنت کی فوقیت کو سمجھنے کے لئے یہ بھی جاننا چاہئے کہ اہل علم حدیث سے زیادہ سنت کو حجت بناتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کا جو خطبہ دیا تھا اس میں قرآن کے ساتھ اپنی سنت کی پیروی کا حکم دیا تھا حدیث کا نہیں۔

ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم صرف تین ہی ہیں آیات محکمات، سنت قائمہ اور فریضہ عادلہ۔ ان کے علاوہ جو کچھ ہے وہ فاضل ہے۔ آیات محکمات سے مراد قرآن ہے، سنت قائم سے مراد وہ سنتیں ہیں جو شروع سے قائم چلی آرہی ہیں اور امت ان پر عمل کرتی چلی آرہی ہے۔ ان کے سلسلے میں کوئی شک اور شبہ نہیں پایا جاتا اور ان کو کسی مرحلے میں ترک بھی نہیں کیا گیا ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہوا کہ لوگوں نے ان پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہو۔ فریضہ عادلہ سے مراد اجماع اور قیاس ہے۔ شریعت پر عمل کرنے کے سلسلے میں ایسے مسائل جن کا ذکر قرآن کریم اور سنت رسول ﷺ میں نہیں ہے لیکن جب یہ مسئلہ سامنے آیا تو اس کو شریعت کے دائرے میں حل کرنے کی کوشش کی گئی اور جو حل نکالا گیا اس پر اہل علم کا اتفاق ہوگیا تو اس کو اجماع کہتے ہیں۔ اسی طرح کے مسائل کے سلسلے میں ایسا بھی ہوا کہ کسی فقیہ نے اپنی رائے دی جس کو امت نے قبول کرلیا تو اس کو قیاس کہتے ہیں۔ ایک صحابی رسول ﷺ نے ایک علاقے میں مسلمانوں کے معاملے کا ذمہ دار بناکر بھیجا۔ رخصت کرتے ہوئے ان سے پوچھا کہ تمہارے سامنے جو مسائل آئیں گے ان کو کیسے حل کروگے؟ انھوں نے کہا کہ قرآنی احکام کی روشنی میں حل کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر قرآن کریم سے اس کی رہنمائی نہیں ملی تب کیا کروگے؟ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے میں تلاش کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا کہ اگر وہاں بھی نہیں ملا تب کیا کروگے؟ انھوں نے کہا تب اپنی عقل کا استعمال کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعائیں دیں اور ان کو رخصت کردیا۔

عقل جس کو تفقہ فی الدین بھی کہا گیا ہے بڑی قیمتی نعمت ہے اللہ تبارک وتعالیٰ یہ نعمت سبھوں کو نہیں دیتا۔ جن کو دیتا ہے وہ بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں۔ مشہور روایت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین میں تفقہ کی نعمت سے نوازتا ہے۔ دوسری روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس طرح ہے کہ ایک اکیلا فقیہ شیطان پر ایک ہزار عابدوں کے مقابلے میں بھاری ہے۔ تفقہ فی الدین کا مطلب ہے احکام کو اس کی صحیح روح کے ساتھ سمجھنا اس پر عمل کرنا اور سمجھانا۔ ایک روایت ایسی بھی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ انسان عمل چاہے جتنا بھی کرے آخرت میں فیصلہ اس کی عقل کی بنیاد پر ہی ہوگا۔ آخری حج کے خطبے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میری یہ باتیں ان لوگوں تک پہنچاؤ جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ سننے والا بتانے والے سے زیادہ اس کو ٹھیک سے سمجھے اور اس پر عمل کرے۔ ان سب حوالوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ گویا دین کے معاملے میں انسان کی عقل کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے بلکہ سارا دارومدار اسی پر ہے کہ اس نے دین کو کس طرح سمجھا۔ جب کسی نے بات کو ٹھیک سے سمجھا ہی نہیں تو وہ سمجھائے گا کیا۔

اشاعت دین کا کام کرنے کے لئے ایک اور احتیاط بہت ضروری ہے۔ کسی مسلک کی طرف، کسی جماعت کی طرف، کسی خاص طرز عمل کی طرف، یا کسی خاص شخصیت کی طرف لوگوں کو کبھی دعوت نہیں دی جائے گی۔ ایسا کرنا دعوت کے کام کو برباد کرنا ہوگا۔ مسلک، جماعت، نظریات اور افراد کا آپسی اختلاف دین فہمی کی راہ میں زبردست رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اس دور کے فتنوں میں ایک بڑا فتنہ یہ بھی ہے کہ ہر گروہ سمجھ رہا ہے کہ صرف وہی حق پر ہے اور دوسرے لوگ گمراہی میں مبتلا ہیں۔ چنانچہ ایسا سمجھنے والا ہر معاملے میں اپنے گروہ کی حمایت اور دوسروں کی مخالفت کرتا ہے۔ تشدد میں مبتلا ہوکر وہ حق اور ناحق کے فرق کو بھی بھول جاتا ہے۔ اس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات بھی یاد نہیں رہتی کہ جس نے کسی تعصب کی طرف دعوت دی وہ دین سے خارج ہے۔

اس لئے دین کی دعوت کا کام صرف اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے سے کیا جائے گا۔ ہر شخص کو یہ کہا جائے گا کہ آپ قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھئے اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہدایت کی دعا کیجئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جب آپ کے لئے ہدایت کا راستہ کھول دے گا تو پھر کوئی آپ کو گمراہ نہیں کرسکتا۔ اور اگر اللہ تبارک وتعالیٰ ہی آپ کو ہدایت دینے کے لئے تیار نہیں ہوگا تو دنیا کے کسی انسان کی کوشش آپ کو ہدایت کے راستے پر نہیں چلاسکتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی خواہش کے مطابق اپنی پوری قوم کو ایمان کی نعمت سے فیضیاب نہیں کراسکے۔

دعوت دین کا کام کرنے والوں کو مسلسل اپنا علم اور معلومات بڑھاتے رہنا چاہئے۔ جب تک علم اور معلومات میں وسعت نہیں ہوگی دین کی حقیقت سمجھ میں ہی نہیں آئے گی۔ اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ آدمی تعصب کا شکار ہوجائے جو ایک ملعون بات ہے۔ ہر شخص کو اپنی لیاقت اور صلاحیت کے مطابق دین کی دعوت کا کام کرنا چاہئے۔ اس سلسلے میں علیٰحدہ تنظیم اور جماعت بنانے پر زور صرف کرنے سے سخت گریز کرنا چاہئے۔ جماعت سازی بھی اس دور کا ایک خطرناک فتنہ ہے۔ شریعت نے جماعت بنانے کی تلقین نہیں کی ہے بلکہ جماعت سے جڑے رہنے کی ہدایت دی ہے۔ جب انجمن سازی کا شوق بھڑکتا ہے تو کام پیچھے چلا جاتا ہے اور انجمن آگے آجاتی ہے۔ پھر ساری کوشش انجمن کو فروغ دینے کی ہونے لگتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کو ان دنوں غلط معنی دے دیا گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ایک وقت آئے گا جب تم بہت سے فرقوں میں تقسیم ہوجاؤگے۔ تمہارے درمیان ایک ہی فرقہ حق پر ہوگا۔ اس حدیث کے حوالے سے ہر فرقہ اس کا دعویدار ہے کہ اس فتنے کے زمانے میں اسی کا فرقہ حق پر ہے۔ لیکن اس حدیث کی تشریح ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے۔ اس پر کوئی دھیان نہیں دیتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''امت کے بگاڑ کے وقت جس نے میری سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھا اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا''۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب عام طور پر لوگ شریعت اور سنت سے بے نیاز ہوچکے ہوں تو ایسے وقت میں جو شخص سنت کے مطابق زندگی گزاررہا ہو وہ اصلی مسلمان ہے اور اس کا انجام شہیدوں کا ساہوگا۔ چنانچہ اس فتنے کے دور میں حق پر وہی گروہ ہے جو زندگی کا ہر عمل سنت کے مطابق انجام دیتا ہے۔ صرف نماز پڑھ کر یہ کہنا کہ یہ نماز عین سنت کے مطابق ہے اور باقی زندگی میں سنت کے خلاف کام کرنا دراصل سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے ان دنوں نوجوان طبقے میں دین کو سمجھنے اور دعوت دین کا کام کرنے کا شوق پیدا ہوگیا ہے، ایسے ہی نوجوانوں کی رہنمائی کی خاطر یہ تفہیم پیش کی جارہی ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔ ●●

# دہشت گردی کے اصل مراکز کی طرف توجہ کیوں نہیں دی جاتی؟

ڈاکٹر نصر فردوسی (جمشید پور)

ہندوستان کے سنجیدہ باشندے آج ملک کے کم وبیش تمام سیاسی پارٹیوں سے بہت ہی بدگمان اور متنفر نظر آتے ہیں۔ وہ صرف اس لئے کہ سیاسی پارٹیوں میں زیادہ تر ایسے چہرے ہیں جو انسانی اقدار کو پامال کر کے اقتدار میں آنا چاہتے ہیں اور وہ بھی اس لئے کہ ملک کی دولت پر ہاتھ صاف کریں اور زندگی بہترین سازو سامان کے ساتھ گزاریں۔ بڑی سے بڑی حویلیاں آل اولاد کے لئے کم سے کم وقت میں تعمیر کرلیں اور دولت اتنی ہو کہ ملک سے باہر نکل کر دنیا کے عیش کدوں میں اپنے اوقات گزار سکیں۔ جنگ آزادی کے دوران ہمارے رہبروں نے جو اعمال اور جو سبق پیش کیا تھا اسے فراموش کر کے اپنی اپنی مرضیات سے سماجی زندگی میں اپنا رعب گانٹھنے کا زبردست مقابلہ چل رہا ہے۔ ایثار، قربانی، نیکی، عمل صالح، صداقت اور ایمانداری جیسی صفات انسانی معدوم ہوتی چلی گئی ہیں اور کہیں راون کا ننگا ناچ اپنی طاقت بڑھا کر دوسروں کو کمزور بنانا اوران کمزوروں پر اپنا تسلط جمائے رکھنا معیار زندگی بن چکا ہے اور عالمی سطح پر اسی معیار کے رہنما اقتدار میں ہیں۔ بدترین مثال گزشتہ قریب ایک دہائی سے امریکہ بن چکا ہے۔ جارج ڈبلیو بش اوران کے شرکاء دنیا میں آج چنگیزی حکایات دہرا چکے ہیں۔ سارا عالم کسی نہ کسی سوچی سمجھی جفاکشی اور مظالم کو برداشت کر رہا ہے۔ جمہوریت اور انسان دوستی کے نام سے جو کچھ ہورہا ہے وہ جمہوریت اور انسان دوستی کے عین منافی ہے۔ جمہوریت کا چیمپین سمجھا جانے والا امریکہ اسٹالن، ہٹلر اور مسولینی سے زیادہ خوفناک سلوک انسانی برادری کے ساتھ برت رہا ہے اور کمزور ممالک کو مدد پہنچانے کے بہانے انہیں خوبصورتی سے تباہی کے دہانے پر پہنچا پہنچا کر اپنی کامیابی کے ڈنکے پیٹ رہا ہے۔

عالمی پیمانے پر یہ سب کچھ سنا اور دیکھا جارہا ہے اور وہی قوتیں جو امریکہ میں پیدا ہوئیں اور پنپی ہیں دوسرے ملکوں میں بھی اپنے پروگرام چلارہی ہیں۔ ویتنام کی داستان ماضی کا ایک باب بن چکی ہے۔ حال میں عراق اور افغانستان میں ان کے بدترین پروگرام سے لاکھوں معصوم افراد، مرد، عورتیں اور بچے مارے گئے اور جو بچ رہے ہیں وہ سسکیاں لے رہے ہیں۔ قوت اور دولت سے ملک کے سربراہوں کو اپنے دبدبے میں ڈال کر وہ سارے پروگرام چلائے گئے جو کسی ملک کے سربراہ کا فرض نہیں ہوسکتا۔ مثال کے طور پر اسامہ بن لادن کو ڈھونڈنے کے لئے افغانستان پر حملے کئے گئے جو پاکستان کے مدد کے بغیر کارگر نہیں ہوسکتے تھے اور اسی لئے نواز شریف حکومت کو برطرف کر کے جنرل پرویز مشرف کو پاکستان پر مسلط کردیا گیا۔ ظاہراً جنرل پرویز حکومت کو پاکستانیوں کے لئے مفید ثابت کرنے کے لئے امریکہ نے بہت ساری سہولیات فراہم کیں اور پھر ان سے جو کام لینا تھا لیا۔ انہی دنوں ہندوستان کے وزیراعظم اٹل بہاری باجپئی اور ان کے وزیر داخلہ لال کرشن آڈوانی نے بار بار پیشکش کی، لیکن اس وقت امریکہ کے پروگرام کو بروئے کار لانے کے لئے جنرل مشرف زیادہ مفید تھے۔ افغانستان میں تباہیاں مچانے کے بعد اب امریکی حکومت کو ضرورت ہے کہ وہ پاکستان کو ویسا بنادے جیسا عراق اور افغانستان کو بنا چکا ہے۔ ایران امریکہ سے نبرد آزمائی کے لئے خم ٹھونکتا رہا ہے۔ اس لئے ہمت نہیں ہوئی کہ ایران پر حملے کرسکے۔ پاکستان کی کمزوریوں سے امریکہ بخوبی واقف ہے۔ پاکستان پر اپنا قبضہ جمائے رکھنے کے لئے جلاوطنی کی زندگی ختم کر کے پاکستان لوٹ آنے پر بے نظیر بھٹو پر جان لیوا حملے ہوئے اور دوسرے حملے میں ان کا کام تمام ہوگیا۔ انتخابات کے بعد آپسی اتفاق سے آصف زرداری پاکستان کے صدر مقرر ہوئے۔ لیکن ان کی حکومت شاید امریکہ کو گوارا نہیں ہے۔ پھر وہاں فوجی حکومت مسلط کردینے کی نیت سے وہاں کے نئے جنرل کے بیان کو بہت اچھالا جارہا ہے اور ظاہراً میڈم رائس آئیں۔ انگلینڈ کے وزیراعظم تشریف لائے اور پھر انٹرپول کے سربراہ رونالڈ نوبل تشریف لائے۔ یہ سب ہندوستان اور پاکستان کو ہدایت دینے آئے کہ یہ مل کر اپنے مسائل حل کریں۔

لیکن حقیقت چھن کر سامنے آتی ہی ہے۔ اور وہ ہے دو پڑوسی ملک کو جنگ کی آگ میں جھونکنا۔ ہندوستان کے الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا نے ایسے نقشے پیش کرنے شروع کئے کہ جیسے آج ہی کی رات جنگ چھڑ رہی ہے۔ جنگ کی وجوہ میں ہندوستان میں دہشت گردی پر قابو پانا فرض اولین قرار پایا اور سب سے بڑی دہشت گردی ساٹھ گھنٹے ممبئی میں رونما ہوئی۔ تاج محل ہوٹل، اوبرائے ہوٹل اور ٹرائڈنٹ میں کل ملاکر قریب دوسو افراد مارے گئے اور تین سو افراد زخمی ہوئے۔ دو سپاہیوں اور ایک اجمل قصاب کے بیان پر مزید ہزاروں ہزار ہندوستانی فوجیوں اور پاکستانی فوجیوں کے ساتھ ساتھ وہاں کے نہ جانے کتنے دہشت گرد کہے جانے والے افراد کے خون کے پیاسے جنگ کا سامان پیدا کرنے لگے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ ممبئی کے بہترین تاج ہوٹل اور اوبرائے ہوٹل میں خاص طور سے دہشت گرد جمع ہوئے اور گولیاں چلیں۔ بے قصور معصوم لوگ مارے گئے۔ مہاراشٹر حکومت کے سارے ذمہ داران اور حکومت ہند کی فضائیہ اور بحریہ فوجیں ساٹھ گھنٹوں میں نو دہشت گردوں کو مار گرا سکیں اور ایک کو قبضے میں کیا۔ دنیا نے یہ تماشا دیکھا۔ میں اسے تماشہ ہی کہہ رہا ہوں اس لئے کہ ٹیلیویژن کے ذریعے اسے دکھایا گیا۔ اسے دکھائے جانے پر ملک کے خاص اور معتبر افراد نے اعتراض بھی کیا اور روزانہ اخبارات میں اعتراض کی باتیں ہورہی ہیں۔ اور یہ بات بھی معلوم ہورہی ہے کہ میڈیا پر پابندی لگائی جائے تاکہ ان کی آزادی سے دشمنوں کو ہر لمحے ہونے والی کارروائی کی واقفیت نہ ہوسکے۔ یعنی تاج محل ہوٹل اور اوبرائے ہوٹل میں دہشت گردی کا بھیانک منظر دنیا والوں کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے تمام لوگوں نے اور ہمارے دشمنوں نے بھی خوب خوب دیکھا جس سے دشمن تو باخبر ہوئے ہیں ساتھ ہی ملک کے تمام باشندوں کے دل ودماغ پر دہشت گردی کے بھیانک منظر ان کی نیند، ان کا کھانا پینا، ان کے کام کاج اوران کی زندگی کے سنجیدہ پروگرام اوران کے سنہرے خوابوں پر بری طرح اثر انداز ہوئے ہیں اور پھر اس پر میڈیا کا یہ رول کہ یہ بھیانک دہشت گردی پڑوسی ملک کے ٹھکانوں سے ہوئی ہے۔ یہ الفاظ دیگر داڑھی اور ٹوپی والوں نے کیا ہے۔ پھر لفظ یعنی استعمال کرتے ہوئے میں کہوں گا کہ ملک کو اتنے بھیانک دہشت گردی پر قابو پانے کے لئے آمادہ کیا گیا اور پاکستان پر ''ہلہ بول'' کے اعلان کردینے کا بھی جواز تیار کیا گیا۔ ملک کی سالمیت، اس کی بقا، اس کی خوشحالی، اس کا امن وسکون لوٹنے کے علاوہ محبت کرنے کے جذبے سے سرشار دو پڑوسی ملکوں میں آپسی نفرت، دشمنی اور لٹ مرنے کے جذبات کو برانگیختہ کرنے میں وہ کامیاب نظر آتے ہیں۔

چنانچہ تمام حالات کا بغور مشاہدہ کرنے کے بعد جو شعور جاگتا ہے وہ کوئی گہری سازش کا شعور ہے۔ اجمل قصاب کے بیان پر ہی بھروسہ کر کے ساری دہشت گردی کے حقائق مان لینے پر اصرار کیوں؟ ممبئی جہاں یہ دہشت گردی ہوئی وہیں کے باشندے اور اسی صوبے کے سابق وزیراعلیٰ عبدالرحمٰن انتولے کے اس مطالبے پر کہ نہایت ایماندار اور صحیح پولیس افسر ہیمنت کرکرے اور دوسرے دو افسروں کی شہادت کی تحقیقات کرائی جائے، سنگھ پریوار کو برا کیوں لگا؟ ایک طرف ہیمنت کرکرے نے جب پروین توگڑیا، کرنل پرساد پروہت، سادھوی پرگیا سنگھ ٹھاکر، آنند پانڈے کے ملوث ہونے کا انکشاف کیا تو سنگھ پریوار والوں نے زبردست واویلا مچایا اور مطالبہ کیا کہ کرکرے کو مالیگاؤں دھماکے کیس کی تحقیقات سے ہٹایا جائے۔ حتیٰ کہ کرکرے کو جان سے مار ڈالنے کی دھمکیاں بھی دی گئیں۔ ہیمنت کرکرے نے یہ انکشاف کیا تھا کہ ہندوستان میں بم دھماکے کا ذمہ دار بھگوا بریگیڈ ہے۔ جس کا چہرہ چھپا تھا اور سارے دھماکوں کا ذمہ دار کسی نہ کسی مسلمان کو ٹھہرایا جارہا تھا کسی تنظیم کو جو سرحد پار ہے اور الیکٹرانک میڈیا بھی ایسے ہی راگ تمام دھماکوں کے بعد الاپتا رہتا ہے۔ سرحد پار دہشت گردی کے ٹھکانوں کے ساتھ ساتھ ہمیں اندرون ملک بھی دہشت گردی کے ٹھکانے ڈھونڈنا ہوگا اور دیکھ کر اس پر قابو پانے کے لئے بھی بہت سخت کارروائی کرنی ہوگی اور سخت کارروائی کرنے کے لئے حکومت ذمہ دار ہے۔ لیکن نہایت تشویش کی بات ہے کہ حکومت کے فیصلوں میں زبردست ہنگامے ہوتے ہیں۔ خوب خوب شور مچایا جاتا ہے اور نتیجے کے طور پر حکومت کے ارباب حل و عقد مصلحت کوشی سے کام لیتے ہیں یا پھر اپنی حکومت سنبھالنے میں وہ فیصلے نہیں لے پاتے جو انہیں ملک کے اندر امن وشانتی بحال رکھنے کے لئے لینا چاہئے۔ سچ بولنے والا ایوانوں میں اگر کوئی ہے تو اس کی آواز ہنگاموں سے دبا دی جاتی ہے اور ملک کی سلامتی دیکھنے کی بجائے سازش کرنے والوں کی سلامتی چاہتے ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بھگوا بریگیڈ مسلسل اس بات کے لئے پلاننگ کرتا رہا ہے کہ ہندوستان کو ایک ہندو راشٹر بنا دیا جائے جس کے لئے فلسطائی مزاج پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ بھیڑ کی آگ کہاں سے لگائی جارہی ہے۔ یہ دیکھنا ہوگا۔ اگر ملک کے مدارس اسلامیہ پر نگاہ ہے تو ملک کے ان مراکز پر بھی گہری نگاہ ڈالنی ہوگی جو لال کرشن آڈوانی، اشوک سنگھل، سدرشن اور پروین توگڑیا اوران جیسے ملک دوست حضرات کے سایۂ شفقت میں ہزاروں کی تعداد میں چلائے جارہے ہیں۔

۲۶/ نومبر ۲۰۰۸ء کے ممبئی واقعات بہت سنگین ہیں۔ اور قریب دو سو بے گناہ لوگوں کی موت چھپائے چھپ نہیں رہی ہے۔ بہت ساری تفصیلات یہ بتا رہی ہیں کہ ممبئی دہشت گردی ایک گہری منصوبہ بندی کے تحت کی گئی اور مقصد جنگ کے حالات پیدا کرنا ہے۔ ملک کے دانشوروں کا یہ خیال صحیح ہے کہ جنگ سے تباہیوں کے علاوہ اور کیا حاصل ہوگا۔ دہشت گردی پر قابو پانا جنگ سے ممکن نہیں۔ یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ دہشت گردی کے ٹھکانے کہاں کہاں ہیں۔ ہندوستان کے مختلف شہروں میں آئے دن ایسے ایسے جرائم ہورہے ہیں جنہیں جان کر یقین نہیں ہوتا کہ ہم گوتم بدھ، مہاویر، چشتیؒ و نانک اور گاندھی جی کی سرزمین پر آباد ہیں۔ ستیہ اور اہنسا جیسے اسلحے سے لڑکر ۱۹۴۷ء میں اپنے ملک کو آزاد کرانے والی قوم آپس میں اس طرح جنگ وجدل میں مصروف ہوگی، ہمارے آبا واجداد نے ایسا سوچا بھی نہیں ہوگا۔ ہندو، مسلم، سکھ اور عیسائی کا نعرہ لگانے والے ملک کے باشندے یوں لہو کے پیاسے ہوجائیں گے، کس نے سوچا ہوگا؟ ●●

# گہری ہے شام غم مگر شام ہی تو ہے

محمد اشرف الہدیٰ آروی، ملی محلہ، آرہ

حصول آزادی کے ساٹھ برس گزر جانے کے بعد بھی مسلم اقلیت کو اپنے حقوق، اختیارات اور مراعات کے لئے حکومتوں کے سامنے دہائی دینی پڑتی ہے۔ آزادی سے پہلے مسلمان ہر میدان میں برادران وطن کے شانہ بشانہ، قدم سے قدم ملاکر چلتے تھے۔ لیکن تقسیم ملک کے بعد تو ان کی حالت انتہائی خستہ ہوگئی۔ کہیں کسی بھی میدان میں ان کا کوئی شمار ہی نہیں ہے۔ ملک کی آزادی کے بعد پہلا جھٹکا ان کو اس وقت لگا جب یہاں کی دس سے پندرہ فیصد تعلیم یافتہ اور با اثر آبادی نے نقل مکانی کا فیصلہ کرلیا اور پڑوسی ملک کا رخ کیا۔ اتنی بڑی آبادی کی نقل مکانی دنیا کی تاریخ نے شاید ہی پہلے کبھی دیکھی ہو۔ اتنی بڑی آبادی نے کبھی بھی بہتر مستقبل کے لئے اپنے وطن سے نقل مکانی کر کے دوسرے ملک یا دوسرے خطے میں جانے کا فیصلہ نہیں لیا۔ یہاں کی باقی آبادی نے نقل مکانی نہ کرنے کا فیصلہ لیا۔ اس فیصلے کی وجہ کچھ بھی رہی ہو لیکن ان کی قوت، طاقت تو قدرتی طور پر بہت کم ہوگئی۔ یہاں یہ بھی غور کرنا ہوگا کہ اس واقعے کے پہلے اور بعد میں ملک میں بڑے پیمانے پر فساد اور تشدد کا بازار گرم ہوا۔ ہر صاحب علم وفہم کو غور کرنا چاہئے کہ آخر وہ کون سے اسباب تھے کہ ہزار سال سے ایک ساتھ رہنے والی انسانی برادری آپس میں برسرپیکار ہوگئی۔ یہ پوری انسانی برادری سیاست کے نام پر ایسی تقسیم ہوئی کہ ایک دوسرے کے وجود کی بھی دشمن ہوگئی۔ ایسے حالات میں جن خاندانوں نے اپنے وطن عزیز میں ہی رہنے کا فیصلہ کیا، ان کو کیسے خطرناک اور متضاد ماحول کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ آج ان حالات کا صرف اندازہ ہی لگایا جاسکتا ہے۔ آزادی کے وقت جو آبادی ہوشمند رہی ہوگی اس نے کیسی ذہنی اذیت کا سامنا کیا ہوگا، نتیجتاً وہ آبادی احساس کمتری اور احساس جرم وگناہ کے بوجھ تلے جیتی رہی ہوگی۔ آزادی کے بعد بھی جو نسلیں آئیں وہ بھی کسی نہ کسی طرح ذہنی دباؤ میں ہی رہیں۔ گھر اور پورے ماحول میں ہر چہار جانب مایوسی ہی مایوسی، کاروبار اور معاش کا کوئی انتظام نہیں، کھیت، باغات، دکان، مکان، جائداد یں آہستہ آہستہ بک رہی تھیں۔ وقف جائدادوں پر شرپسندوں نے قبضہ جمانے کا سلسلہ شروع کردیا تھا۔ نقل مکانی کی وجہ سے کہاں کیا چھوڑا، اس پر کسی نے کوئی توجہ نہیں دی۔ لوگ سرحد کے اس پار سرپٹ بھاگتے چلے گئے۔ اپنے آباء واجداد کی ہڈیوں، اپنی مسجدوں، خانقاہوں، مدرسوں، امام باڑوں، حویلیوں، بنگلوں، عمارتوں کے بارے میں کچھ بھی نہیں سوچا کہ یہ کن کی نگہبانی میں رہیں گی۔ ان کی دیکھ بھال کون کرے گا؟ اس کی فکر کئے بغیر ہی لوگ سرحد کے اس پار پہنچ جانا چاہ رہے تھے۔ جن لوگوں نے خود اپنی آنکھوں سے یہ حالات دیکھے تھے، وہ انہیں الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر ہیں۔

حصول آزادی کے پہلے سے ہی حالات خراب ہونا شروع ہوگئے ہوں گے۔ مگر ہمارے قائدین سمجھ نہیں پائے۔ واقعات کا جائزہ لینے سے محسوس ہوتا ہے کہ اس وقت کی مسلم لیگ کی قیادت بہت ہی جذباتی تھی۔ اس نے جو بھی فیصلے لئے وہ مسلمانوں کے ہر طبقے اور ہر علاقے کے افراد اوران کی قیادت کو اعتماد میں نہیں لیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انانیت حاوی ہوگئی اور صحیح، دور اندیش قیادت کی آواز کو جذباتی افراد نے ہوا میں اڑا دیا۔

قوموں کی زندگیوں میں اکثر ایسے مراحل آتے ہیں جب انہیں وقت اور حالات سے سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے۔ ایسے بعض مطالبات اور اختیارات کو وقتی طور پر بھولنا پڑتا ہے۔ بعض جگہوں پر مومنانہ فراست سے کام لینا پڑتا ہے۔ وقتی طور پر تو ایسا لگتا ہے کہ قیادت نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں، لیکن ایسے فیصلے قوموں کو نئی زندگی دیتے ہیں، نئی جان دیتے ہیں، حالات کو نئے سرے سے سمجھنے کا موقع دیتے ہیں۔ لیکن ایسے فیصلے صرف اور صرف وہی قیادت کرسکتی ہے جس کے پاس تدبر وفراست ہو۔ مستقبل کی منصوبہ بندی ہو، عوام پر اس کی پوری گرفت ہو اور اس کی صفوں میں اتحاد ہو۔

حصول آزادی کے کچھ عرصے کے بعد مولانا آزادؒ اور دیگر علمائے کرام اور اکابر ملت کو بگڑتے حالات کا اندازہ ہونے لگا تھا۔ شاید اسی کے پیش نظر بڑی بڑی کانفرنسوں کا دور چلا۔ مولانا آزادؒ نے اپنے انتقال سے قبل دہلی میں بڑا جلسہ کیا۔

اس کے کچھ دنوں کے بعد جواہر لال نہرو کی کابینہ کے رکن اور سینئر کانگریسی رہنما سید محمود مرحوم نے ملک میں ملت اسلامیہ کی خستہ حالی اور زبوں حالی پر اپنی شکایت درج کرائی جس کے نتیجے میں مسلم مجلس مشاورت کی بنیاد پڑی۔ مسلم مجلس مشاورت، جماعت اسلامی ہند، جمعیۃ علماء ہند اور دیگر ملی تنظیموں کو تقسیم ہند کے بعد ملک میں ہونے والے بڑے بڑے فرقہ وارانہ فسادات کے بعد ریلیف اور بازآبادکاری کے کاموں سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی کہ وہ ملت کے سیاسی و سماجی حالات میں سدھار کے لئے کوئی تحریک چلائے۔ تاہم اتنے ناگفتہ بہ حالات کے باوجود قومی ملی تنظیموں نے ملت کے درمیان ہر طرح کے مثبت کاموں کو آگے بڑھایا، اس دور میں بھی پورے ملک میں چھوٹے بڑے مدارس کا جال پھیلا، مسجدیں بھی بنیں اور ان میں نمازیوں کی تعداد میں بھی زبردست اضافہ ہوا۔ اسلامی لٹریچر کی طباعت اور اشاعت کا بڑا کام ہوا، برادران وطن کے درمیان اسلام کے تعارف کے کام کو بھی آگے بڑھایا گیا۔ یوپی میں مسلم مجلس قائم ہوئی۔ ڈاکٹر عبدالجلیل فریدیؒ نے مسلمانوں کے سیاسی کاز کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دی۔ سخت بیمار ہونے کے باوجود ملی کاز کے لئے انتھک کوششیں کیں جس سے شمالی ہندوستان میں ملت کے سیاسی حالات بہتر ہوئے۔ مولانا علی میاں ندویؒ کی قیادت میں بھی بڑے کام ہوئے۔

اترپردیش میں دینی تعلیمی کونسل کے ذریعے اتنے بڑے پیمانے پر تعلیمی کام ہوا جس کا اعتراف نہ کرنا بڑی ناانصافی ہوگی۔ مولانا علی میاں ندوی نے ملی کاز کی حصولیابی کے لئے خود کو وقف کردیا۔ پورے ملک میں اسلامی اور انسانی اصولوں کو آگے بڑھانے کے لئے ایک منظم ٹیم بنائی۔ اس ٹیم نے پورے ملک میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں اسلامی اور انسانی اصولوں کو آگے بڑھایا۔

ان قائدین کرام کی لمبی جدوجہد اور انتھک کوششوں کے ثمرے میں ملک میں سیکولر سیاسی فکر مضبوط ہوگئی جس کے تحت ۲۰۰۴ء میں وزیراعظم ہند ڈاکٹر منموہن سنگھ نے مسلمانوں کے سیاسی، سماجی، معاشرتی اور معاشی حالات کی جانکاری کے لئے سچر کمیشن تشکیل کی۔ کمیٹی کی رپورٹ نے گویا پوری ملت کی فکر کو ایک نئی جہت دی۔ نیا رخ نیا مزاج دیا۔ نئی فکر، نیا ہدف دیا۔ ایک نئی دعوت دی۔

لوک سبھا کے انتخابات کا وقت قریب آگیا ہے۔ وزیراعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ اوران کی یوپی اے سرکار سچر کمیشن کی سفارشات کو نافذ کرنے کے موڈ میں دکھائی نہیں دے رہی ہے لیکن کیا ہماری ملی قیادت اس کی رپورٹ کی روشنی میں اپنی کوئی منصوبہ بندی کرے گی؟ کیا ہمارے بیچ کے نفاق اور تنازعہ کو ختم کرنے کے لئے کوئی نئی کوشش شروع کی جائے گی۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو آنے والے وقت میں پھر کوئی حکومت کمیشن کی تشکیل دے گی تو اس کی رپورٹ اور بھی زیادہ مایوس کن ہوگی۔

●●

## بقیہ: فسطائی طاقتوں کو قانون کے غلط استعمال سے نہیں روکا جاسکتا

لوگوں کو جیلوں میں ڈال دیا گیا۔ ٹھیک اسی طرز پر ہمارے ملک میں بھی انسداد دہشت گردی کے نام پر غیر ضروری اقدامات کئے جارہے ہیں۔ میرے خیال میں بی جے پی اور کانگریس دونوں ہی فاشسٹ پارٹیاں ہیں۔ اس قانون کو پاس کرتے وقت کانگریس کو اس بات کا خوف تھا کہ اقلیتی طبقے کے لوگ ناراض ہوں گے لیکن اس وقت اسے لگا کہ نقصان کم فائدہ زیادہ ہے۔ اس لئے فوری طور پر اسے پاس کردیا گیا۔

یہ بات درست ہے کہ انٹلی جنیس کی ناکامی کی وجہ سے دہشت گردانہ واقعات رونما ہوتے ہیں لیکن سرکار یہ نہیں چاہتی کہ سرکاری ایجنسیوں کو قانون کا پابند بنایا جائے۔ سرکاریں ان ایجنسیوں کو اپنے سیاسی فائدے کے لئے استعمال کرتی ہیں۔ آج حالت یہ ہے کہ پولیس اور عدلیہ میں بڑے پیمانے پر کرپشن اور کمیونلزم سرایت کرگیا ہے۔ اس کا خاتمہ کئے بغیر ان اداروں سے خیر کی امید کرنا فضول ہے۔ ایسے ادارے جن میں فسطائی لوگ موجود ہوں اور ان کے ہاتھ کوئی اس طرح کا سیاہ قانون آجائے تو اس کا غلط استعمال تو ہونا ہی ہے اسے ہم قطعی نہیں روک سکتے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ اس قانون کا بھی غلط استعمال گزشتہ قوانین کی طرح مسلم اقلیتوں کے خلاف ہونے کا قوی اندیشہ ہے کیوں میڈیا کے ذریعہ اس طرح کا پروپیگنڈا کیا گیا کہ دہشت گردی صرف مسلمان ہی کرتے ہیں اور ان کے خلاف قانون کی استعمال کرنا سرکاری ایجنسیوں کے لئے کافی آسان ہوتا ہے۔ گجرات میں جو کچھ ہوا، جس طرح ایک خاص فرقے کے لوگوں کو نشانہ بنایا گیا یہ کیا تھا۔ اگر دہشت گردی سے نمٹنا ہے تو اس طرح کے مظالم کو روکنا ہوگا۔ ہمیں ظلم کے خلاف آواز اٹھانا ہوگا اور ایسے قوانین جو انسانی حقوق کی پامالی کرنے والے ہیں اس کے خلاف آواز بلند کرنی چاہئے۔

(گفتگو: اشرف بستوی)

# فطرت سے بغاوت کب تک؟

ڈاکٹر ایم اجمل فاروقی

نئی تہذیب اور نئے عالمی نظام کے دعویداروں نے دنیائے انسانیت کو تاریخ کے بھیانک ترین فسادات میں مبتلا کردیا ہے۔ یہ فساد عقیدے کا بھی ہے اور عمل کا بھی۔ اس وقت دنیا عظیم ترین غذائی اجناس کی کمی اور گرانی کے بحران سے گزر رہی ہے۔ غذائی اجناس کی کمیابی یا غلط استعمال نے انسانوں کے لئے اناج کی فراہمی مشکل بنادی ہے۔ قیمتوں میں ایک سال میں چالیس تا ۶۰ فیصد اضافہ ہوا اور ابھی کمی کے امکان نہیں ہیں۔ معاشی کساد بازاری، مہنگائی اور بیروزگاری نے گلوبلائزیشن کے بلبلے کی حقیقت عیاں کردی ہے۔ صارف کلچر (زیادہ سے زیادہ خرچ کرو) تہذیب کی بدولت انسان کے قدرتی وسائل کا بے دریغ استعمال کیا اور نتیجہ سامنے آیا، عالمی حدت اور آلودگی کی متنوع اقسام کی تباہ کاریوں کی صورت میں۔ آج دنیا کی جو عمومی سماجی، سیاسی، اقتصادی، اخلاقی صورتحال ہے اس کے لئے کون سے عوامل ذمہ دار ہیں؟ کیا ان عوامل پر غور کر کے صورتحال کے سدھار کا وقت نہیں آیا ہے؟ محسوس تو یہ ہورہا ہے کہ جیسے اس دنیا کی بڑی طاقتوں کا دنیا کو کنٹرول کرنے والوں کا گروہ مسلسل ومنظم انداز میں ہر طرح کی تباہی کی طرف لے جانے پر آمادہ ہے۔

اقوام متحدہ اور اس سے وابستہ اداروں کے بارے میں گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ کم سے کم عالمی رائے عامہ کے اظہار ہی کا اسٹیج ہے جبکہ فیصلے وہاں وہی ہوتے ہیں جو عموماً ایک مخصوص استعمار پسند ذہن چاہتا ہے۔ پچھلے دنوں اقوام متحدہ سے دو خبریں ایسی آئی ہیں جن سے موٹے طور پر اندازہ ہوتا ہے کہ عالمی ادارے کے ذریعے دنیا کو کس طرح اخلاق گراوٹ کی انتہا تک پہنچانے کی سازش پر عمل ہورہا ہے۔ پہلی خبر میں بتایا گیا ہے کہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں ہم جنسی شادی کی حمایت میں فرانس اور ہالینڈ نے تحریک پیش کی کہ ہم جنسی کو بنیادی حق سمجھا جائے اور اسے جرائم کی فہرست سے نکال دیا جائے۔ اس قرارداد کے حق میں ۶۶ ممالک نے دستخط کردیئے۔ تاہم فوری طور پر شامی ممبر نے اس تحریک کے خلاف تحریک پیش کردی انہیں بھی ساٹھ ممالک کی حمایت حاصل تھی۔

دوسری خبر میں بتایا گیا ہے کہ جنیوا میں اظہار رائے کی آزادی کے ماہرین نے کہا ہے کہ اقوام متحدہ کو ان قراردادوں کو منظور کرنا بند کردینا چاہئے جنہیں مسلم ممالک پیش کرتے ہیں جن میں مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ''مذہب کی توہین کرنے کے خلاف قانون بنائیں''۔ ان ماہرین کا کہنا ہے کہ ان قوانین کا مقصد مذہبی لیڈروں کو تنقید سے بچانا اور مذہبی اقلیتوں اور مذہب نہ ماننے والوں کو کچلنا ہے۔ ان ماہرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی اور انسانی حقوق کونسل کو آئندہ ایسی قراردادیں پاس نہیں کرنی چاہئیں جن میں مذہب کی توہین کی بات کی جاتی ہو۔

(رائٹر ۱۷/دسمبر ۲۰۰۸ء)

مذکورہ بالا دونوں کوششوں کی روشنی میں سمجھا جاسکتا ہے کہ عالمی انسانی سماج کو کنٹرول کرنے والی طاقتیں عالمی انسانی برادری کو کس تہذیب کی طرف لے جانا چاہتی ہیں۔ آزادئ اظہار رائے کی آڑ میں تنقیص، تضحیک اور تمسخر کو اسلام اور تعلیمات اسلام کے خلاف روا رکھا جاتا ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ اسلام کبھی بھی افہام وتفہیم، بحث ومباحثہ، مجادلۂ احسن سے بھاگتا نہیں ہے۔ اسلام عقلی اور منطقی دلائل کا قائل ہے۔ قرآن پاک میں ہر چوتھی پانچویں آیت میں کسی نہ کسی طور پر استدلال کیا گیا ہے اور عقل ومنطق کے استعمال پر ابھارا گیا ہے۔ مگر یہاں جو آزادی طلب کی جارہی ہے وہ بے قید مادر پدر آزادی ہے۔ اس میں علمی نکات سے بحث نہیں ہے۔ عقلی ومنطقی استدلال کی گنجائش نہیں ہے۔ کارٹون بنانا، جھوٹی الزام تراشی، حقائق کو توڑ مروڑ کر کردار کشی کرنا کس طرح آزادی رائے کے زمرے میں آسکتا ہے؟ پھر کیا آزادی کے یہ دیوانے بتا سکتے ہیں کہ نائن الیون کے بعد کی دنیا میں کتنی آزادی میسر ہے؟ کیا دیگر معاملات میں بھی اسی طرح کی مطلق آزادی دی جارہی ہے۔؟ کیا آج قومی مفاد کے نام پر انسانوں کی آزادیاں محدود نہیں کردی گئی ہیں؟ نائن الیون کے بعد کی دنیا میں جس طرح سخت ترین قوانین بنائے گئے ہیں یا ماحولیاتی آلودگی سے نپٹنے کے لئے جس طرح سخت فیصلہ کرنے کے منصوبے بنائے جارہے ہیں یا امریکی مالیاتی اور بینکنگ نظام کے بحران کے بعد بے قید مطلق آزاد نظام کے بجائے جس طرح سرکاری کنٹرول کو بڑھایا جارہا ہے کیا وہ یہ ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے کہ کوئی بھی آزادی مطلق نہیں ہے بلکہ انسانی آزادی کی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ انسانی سماج کچھ حدود وقیود کا پابند ہو۔ عملاً آج بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ جس سماج کو جو اقدار عزیز ہیں وہ اس کے لئے ''مقدس گائے'' کا درجہ رکھتی ہیں۔ ملک کا جھنڈا، ملک کا گانا، قومی ہیرو، مقامی روایات یا قدریں ایسی بنادی گئی ہیں کہ کوئی بھی اس کے خلاف عمل نہیں کرسکتا۔ جھنڈا الٹا ہوگیا، گرگیا، قومی گیت کے دوران کھڑا نہیں ہوا تو پھر کیا آزادی کا حق باقی رہ جاتا ہے؟ کیا یہ ملکی منافقت نہیں ہے کہ کچھ اداروں یا علامتوں کو آپ تنقید سے بالاتر سمجھیں تو بھی آپ آزادی پسند کہلائیں اور دوسرے لوگ کچھ دیگر اشخاص یا علامتوں کا مضحکہ اڑانے سے روکیں تو وہ تنگ نظر اور غیر مہذب قرار دیئے جائیں۔

اول الذکر خبر کے سلسلے میں عرض ہے کہ ہم جنسی جیسی شیطانی حرکت کے لئے آزادی کا مطالبہ خود اس بات کا اظہار ہے کہ آزادی کے نام پر دنیا کو کس بربادی کی طرف لے جایا جارہا ہے۔ جبکہ دنیا پہلے ہی ایڈز جیسے تاحال ناقابل علاج مرض سے جوجھ رہی ہے جو خطا کاروں کے ساتھ معصوموں کو بھی نگل رہا ہے۔ اس مرض کو بڑھانے کے لئے جو کچھ ممکن ہوسکتا ہے سب کچھ کیا جارہا ہے۔ پورے انسانی سماج کو یہ آزادی کس طرح تباہ وبرباد کردے گی اس کے تصور سے بھی وحشت ہوتی ہے۔ جب مرد۔ مرد اور خاتون خاتون کی شادی ہوگی تو نئی نسل کیسے چلے گی؟ اس کا اندازہ اس مثال سے لگائیں کہ ایک اسرائیلی ہم جنس جوڑے (مرد۔ مرد) نے ممبئی میں اپنے نطفے کو کسی کرائے کی ماں کے رحم میں پرورش کرا کرا سے گود لیا ہے اور اب اس کی پرورش کر رہا ہے۔ اس بچہ کا باپ کون ہوگا؟ ماں کون ہوگی؟ باپ کی جائداد کا وارث کون ہوگا؟ وغیرہ۔ مسائل جو کھڑے ہوں گے وہ معاشرہ کی بنیادوں کو پوری طرح ہلاکر برباد کردیں گے۔ ہمارے ملک میں بھی مفاد عامہ کی ایک درخواست دہلی ہائی کورٹ میں زیر سماعت ہے جس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ اس فعل کو جرائم کی فہرست سے نکال کر باقاعدہ اس کو منظوری دے۔ محکمہ صحت کے وزیر اس کے حمایتی ہیں تاہم وزارت داخلہ راضی نہیں ہے۔ اب ماحول یہ بنا دیا گیا ہے کہ اس شیطانی فعل کی حمایت کرنے والے آزاد خیال، مہذب اور ترقی پسند مانے جارہے ہیں اور اس کی مخالفت کرنے والے کٹر، جنونی اور قدامت پرست بتائے جارہے ہیں۔

اگر دنیائے انسانیت خصوصاً بڑی طاقتیں اس دنیا کو مسائل اور بحرانوں سے پاک کر کے امن، انصاف، ترقی وخوشحالی کا ماحول دینا چاہتی ہیں تو سب کو تحفظات اور تعصبات سے اوپر اٹھ کر اصل مسائل کے واقعی حل کی طرف دیکھنا ہوگا۔ عالمی اقتصادی اور مالی بحران کے حل کے ضمن میں سود کی شرح کم کر کے اسے تقریباً صفر پر لے آیا گیا ہے۔ دنیا بھر میں مالیاتی ادارے شرح سود کم کر کے مندی کے اثرات کو کم کرنا چاہ رہے ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی سرکار اور ریزرو بینک لگاتار ایسا ہی کر رہے ہیں۔ کانگریس کے ترجمان اور ممبر پارلیمنٹ ابھیشیک سنگھوی نے اپنے مضمون ''سب کو فائدہ'' میں اسلامی اقتصادی نظام اپنانے کی صلاح دی ہے۔ انھوں نے اس نظام کے جو فوائد بتائے ہیں ان میں سود سے پاک ہونا، حصہ داری ہونا، محنت اور سرمایہ کی برابری کا خاص طور سے ذکر کیا ہے۔ انھوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ خلیجی علاقے کے مالیاتی ادارے انہی اصولوں پر چلائے جاتے ہیں۔ اس لئے وہ موجودہ بحران کو زیادہ جھیل پا رہے ہیں اور ان کا شمار دنیا کے دس مضبوط ترین مالیاتی اداروں میں ہوتا ہے۔ کیا دنیا کے دیگر تمام مسائل بھی اسی الٰہی رہنمائی سے حل نہیں کئے جاسکتے؟ ●●

اکیسویں صدی کے سال ساول میں لیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کو صلیبی جنگ کے آغاز کا زہ لگانے والے امریکی صدر جارج ڈبلیو ش نے دہشت گردی کا شور مچایا اور یہ شور ں قدر شدت کے ساتھ مچایا کہ ساری دنیا کو ہشت زدہ کرڈالا حتیٰ کہ اعلان کردیا۔ اس قت ساری دنیائے انسانیت دو ہی خیموں ں منقسم تصور کی جائے گی۔ ایک وہ ملک و اقتیں اور لوگ ہیں جو ہمارے ساتھ ہیں ر جو ہمارے ساتھ نہیں ہیں ہم ان کو اپنا لف و دشمن تصور کریں گے۔ تہذیبوں کے صادم کی تھیوری سے شروع ہونے والی اس نگ نے عملاً اسلام پسندوں کے خلاف یڑی گئی جنگ کی حیثیت اختیار کرلی، ہاں تک کہ مسلم حکمراں بھی اپنی غلامانہ ہنیت اور مرعوبیت کے ساتھ جابر و ظالم سلام دشمن طاقتوں کے ساتھ کھڑے ہونے ں عافیت محسوس کرنے لگے۔ اقوام متحدہ کی یکورٹی کونسل نے بھی اپنی ۴۳۸۵ ویں یٹنگ میں ۲۸؍ستمبر ۲۰۰۱ء کو اقوام متحدہ کے چارٹر کے باب (۷) کے تحت قرارداد بر ۱۳۵۳ منظور کرلی جس میں مبینہ بین اقوامی دہشت گردی پر قابو پانے کے لئے مام ممبر ممالک سے اقدامات کرنے کے لئے کہا گیا۔ اس سے پہلے بھی اقوام متحدہ کی یکورٹی کونسل ۱۹۹۹ء میں قرارداد نمبر ۱۲۶۷ ر ۲۰۰۰ء میں ۱۳۳۳ پاس کرچکی تھی جبکہ ں کے بعد اس نے ۲۰۰۱ء میں قرارداد نمبر ۱۳۶۳) ۲۰۰۲ء میں قرارداد نمبر( ۱۳۹) ۲۰۰۳ء میں (۱۵۲۶) ۲۰۰۴ء ں (۱۵۶۶) ۲۰۰۵ء میں (۱۶۱۷) ۲۰۰ء میں (۱۷۳۵) اور ۲۰۰۸ء میں رارداد نمبر ۱۸۲۲ پاس کی ہیں جن میں ممبر مالک سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ مختلف ہشت گرد افراد اور دہشت گرد تنظیموں کے لاف کارروائی کرتے ہوئے ان کے اثاثہ ر دوسرے مالی ذرائع کو منجمد کردیں کہ ان کے علاقوں میں داخلہ یا ان سے منتقلی کے ان کے راستے مسدود ہوجائیں اور شیڈول میں رج افراد یا اداروں و تنظیموں کو براہ راست لولہ بارود اور سامان جنگ و بالواسطہ تھیاروں کی سپلائی بند کردیں۔ دیکھا جائے تو ثر و بیشتر ان قراردادوں کا پس منظر ان افراد اور تنظیموں کی کارروائیوں سے متعلق ہے جو عدل وانصاف اور اپنے لئے بنیادی حقوق کے حصول کی لڑائی لڑ رہی ہیں جبکہ حکمراں ظلم وزیادتی، ناانصافی اور حق تلفی کی روش پر گامزن ہیں اور ظاہر ہے اقوام متحدہ ہو کہ اس کی سیکورٹی کونسل وہاں نمائندگی حکمرانوں ہی کی ہوتی ہے۔ عوام، تنظیموں یا افراد کی نہیں۔

# قانون کا غلط استعمال کرنے والوں کیخلاف کارروائی کیوں نہیں؟

**عقیدت اللہ قاسمی**

ان قراردادوں کے تقاضوں کو پورا کرنے اور ان کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ظلم و زیادتی، ناانصافی، جانبداری و امتیاز اور حقوق کی پامالی کی مہم کو تیز کرنے کی اپنی دلی خواہش کی تکمیل کرنے میں بھارت کے حکمراں بالخصوص اس وقت برسراقتدار فسطائی طاقتیں بھلا پیچھے کیونکر رہ سکتی تھیں۔ چنانچہ فوراً ہی پارلیمنٹ پر حملہ کی کارروائی کی اعلیٰ سطحی تحقیقات کراکر، حقیقت کو منظر عام پر لائے بغیر اس کو بنیاد بنا کر انسداد دہشت گردی کے نام پر ایک قانون پوٹا کے نام سے بڑی سرعت کے ساتھ پاس کرالیا گیا اور پھر خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف قانونی و سرکاری دہشت گردی کا ایک گھناؤنا کھیل شروع کردیا گیا۔ یہاں تک کہ ملک کا ہر امن پسند و انصاف پسند فرد اس کے خلاف سراپا احتجاج بننے پر مجبور ہوگیا تب بعد میں سیکولرزم کا مکھوٹا لگا کر آنے والے حکمرانوں نے اس کو کالعدم قرار دیا مگر ایک طرف خود مکھوٹا کے پیچھے چھپی اصل ذہنیت اور دوسری طرف فسطائی طاقتوں کے دباؤ کے تحت ووٹوں کی سیاست کے کھیل میں فتح و کامرانی حاصل کرنے کی غرض سے معمولی ردوبدل کرکے نئی حکومت نے بھی اپنے ٹرم کے آخری دنوں میں یعنی نئے جنرل الیکشن سے بالکل متصل نیا قانون پارلیمنٹ سے پاس کرالیا ہے۔

بنیادی طور پر نیا قانون انسداد غیر قانونی سرگرمیاں ایکٹ ۱۹۶۷ء میں ترمیمات کرکے بنایا گیا ہے جسے ۱۵؍دسمبر ۲۰۰۸ء کو مرکزی وزیر داخلہ پی چدمبرم نے انسداد غیر قانونی سرگرمیاں ترمیمی بل کے عنوان سے پارلیمنٹ میں پیش کیا تھا۔ اگرچہ ممبئی کے ہوٹل تاج، ہوٹل اوبرائے اور نریمن ہاؤس پر حملے اور اس میں پاکستانی باشندوں کے ملوث ہونے کے اعلان نے اس بل یا قانون کے خلاف آواز اٹھانے سے لوگوں کو روک دیا اور پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے زیادہ بحث ومباحثہ اور اس کی مخالفت میں کوئی آواز اٹھائے بغیر پاس کردیا۔ لیکن امن وقانون اور عدل وانصاف وحقوق انسانی کے لئے کام کرنے والے ٹاڈا اور پوٹا کی طرح اس قانون کی بھی مخالفت کررہے ہیں جو خود قانون سے زیادہ اس کے غلط اور ناجائز استعمال پر تشویش کا اظہار کررہے ہیں کہ جس طرح اول الذکر دونوں قانونوں کا سہارا لے کر سرکار اور پولیس نیز جوڈیشیری کے کچھ افراد نے دہشت گردی کا مظاہرہ کیا ہے اس قانون کے بھی اسی طرح غلط اور ناجائز استعمال کے تمام اندیشے اور خطرات وامکانات موجود ہیں۔ ٹاڈا اور پوٹا کو بھی ان کے غلط اور بیجا استعمال کی بنیاد پر ہی دہشت گرد اور سیاہ قانون کے نام دئے گئے تھے اور نیا قانون بھی خطرات سے کسی طرح محفوظ نہیں ہے۔

بذات خود ٹاڈا رہا ہو یا پوٹا یا پھر نیا قانون غلط قرار نہیں دیئے جاسکتے کہ جہاں دہشت گردوں کو دہشت گردانہ کارروائیوں سے روکنا ناممکن ہے کہ قانون کا محض ڈر بٹھانا اور مجرمانہ حرکتوں پر ان کا ارتکاب کرنے والوں کو سخت سے سخت سزا دینا ہوتا ہے۔ جبکہ دہشت گرد تو مرنے ہی کے لئے تیار ہوکر آتے ہیں تو پھر ان کو ڈر کس چیز کا ہوسکتا ہے۔ پھر بھی قانون کے تقاضے پورے کرنے اور دہشت گردوں کو ایسی سزا دینے کے لئے جن سے دوسرے لوگوں کو بھی عبرت حاصل ہو سخت سے سخت قانون بنانے کی بہرحال ضرورت ہے اور سخت قوانین ہونے چاہئیں۔ لیکن اصل مسئلہ کسی بھی قانون کے غلط استعمال کا ہے اور غلط استعمال معمولی سے معمولی اور چھوٹے سے چھوٹے قانون کا بھی ہوسکتا ہے۔ جبکہ بھارت کی پولیس کو مختلف تحقیقاتی کمیشنوں، کمیٹیوں اور سروے رپورٹوں سے بار بار بدعنوان نمبر ایک قرار دیا جاتا رہتا ہے۔ اتنا ہی نہیں عدلیہ کی ذمہ دار اور قابل احترام کرسیوں پر بیٹھے جوڈیشیری کے افسران کی جانبداری، فرقہ پرستی اور بھرشٹاچار کی تفصیلات سے کوئی شخص بے خبر نہیں ہے جس کو اس محکمہ سے کبھی ایک بار بھی سابقہ پڑگیا ہے یا اس محکمہ کے بارے میں سرسری معلومات بھی رکھتا ہے کہ ان دونوں محکموں کے لوگوں کی طرف سے قانون کا سہارا لے کر عدل وانصاف کی جگہ کی جانے والی ظلم وزیادتی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ عدل وانصاف کی فراہمی میں اور قانون کے نفاذ میں انصاف کے متلاشی اور ملک کی عدالت عظمیٰ سپریم کورٹ کی مدد کرنے والے ماہر قانون رام جیٹھ ملانی تک نے کہہ دیا ہے۔ مجھے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہائی کورٹ کے کچھ ججوں سے بھی مواخذہ اور باز پرس کی ضرورت ہے۔ فرقہ پرستی کا زہر اس سطح تک بھی سرایت کرچکا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آج عدالت عظمیٰ کے بارے میں بھروسہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ اس زہر سے پاک ہوگی لیکن بہرحال سب انسان ہیں۔ میں صرف امید کرسکتا ہوں۔ آج کل کسی کے بھی بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا"۔

ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل انڈیا کے انڈیا کرپشن اسٹڈی سروے ۲۰۰۵ء کی رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ ملک میں پولیس میں چھوٹی چھوٹی رشوت کا مالی تخمینہ ۳۸۹۹ کروڑ روپے سالانہ ہے۔ پندرہ فیصد خاندانوں نے دعویٰ کیا کہ گزشتہ ایک سال کے دوران ان کو پولیس سے واسطہ پڑا۔ ان میں سے ۸۷ فیصد پولیس کو بھرشٹ مانتے ہیں۔ ۸۰ فیصد سے زیادہ کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے اپنا کام کرانے کے لئے پولیس کو رشوت دی۔ ۷۰ فیصد نے طرح طرح کے راستے رشوت، اثر کا استعمال اور بچولیا وغیرہ اپنائے"۔

رپورٹ میں ممتاز صحافی و سابق ممبر پارلیمنٹ ایم جے اکبر کا یہ تجزیہ بھی نقل کیا گیا ہے: "بھارت میں پولیس ایک بہت بڑی طاقتور آرگنائزیشن ہے۔ پولیس اکثر خود کو قانون سے بھی بڑا سمجھنے لگتی ہے"۔

جسٹس جے ایس ورما کا کہنا ہے کہ اس ملک کی بدقسمتی ہے کہ عام آدمی کو عدلیہ پر بھی اعتماد نہیں رہا۔ اس کے لئے مفاد عامہ کو محفوظ رکھتے ہوئے پبلک میں اعتماد قائم کرنا ہوگا۔ ججوں کے طرز عمل میں سدھار لانا ہوگا۔ عدالتی تحمل سے کام لینا ہوگا اور عدلیہ کو نظم وضبط کا لحاظ کرنا ہوگا"۔ جسٹس سیم پروز بھروچہ کا کہنا ہے: "ملک میں بیس فیصد جج بھرشٹ ہیں"۔ سروے رپورٹ کے مطابق ملک میں عدلیہ میں رشوت کا مالی تخمینہ ۲۶۳۰ کروڑ روپے سالانہ ہے۔ گزشتہ ایک سال میں اس محکمہ کو دی جانے والی رشوت کا اوسط تخمینہ ۲۰۹۵ تھا۔ اندازہ ہے کہ ۲ء۴۳ کروڑ خاندانوں یعنی ملک بھر کے ۷ء۱۳ فیصد خاندانوں کو گزشتہ ایک سال کے دوران اپنے کسی نہ کسی کام کے لئے عدلیہ سے واسطہ پڑا۔ ان میں سے ۳۲ء۷ فیصد نے دعویٰ کیا کہ انھوں نے رشوت دی تھی۔ ۸۰ فیصد نے کہا کہ عدلیہ میں بھرشٹاچار ہے۔ تقریباً ۵۴ فیصد نے اپنا کام کرانے کے لئے اثر یا رشوت جیسے متبادل راستوں سے کام لیا۔ ۶۱ فیصد نے وکیلوں کو ۲۹ فیصد نے جوڈیشیل افسران کو اور پندرہ فیصد نے بچولیوں کو رشوت دی۔ سمجھا جاتا ہے کہ جوڈیشیل افسران کی تعداد کا کورٹ میں کام کی مستعدی، رفتار اور بھرشٹاچار پر براہ راست اثر پڑتا ہے۔ نظام عدل انتہائی تاخیر سے فیصلہ کرنے والا مہنگا اور عام آدمی کی رسائی سے باہر ہے۔ عام لوگوں کے لئے انصاف حاصل کرنا مشکل ہے کیونکہ مقدمہ بازی مہنگی ہوتی ہے اور ہر کام کرانے کے لئے روپیہ دینا پڑتا ہے۔ احمد آباد کے ایک میٹروپولیٹن مجسٹریٹ نے چالیس ہزار روپے لے کر بھارت کے صدر جمہوریہ کے خلاف ہی ضمانتی وارنٹ جاری کردیا تھا۔ اسی طرح راجستھان کے ایک جج نے ایک فریق سے جنسی تعلق کے بدلے میں عدالتی اپیل کرنے کی پیشکش کی۔ اکثر مقدمات برسوں تک چلتے ہیں۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ پولیس کو سیاسی حکمرانوں کے دباؤ اور اثر سے محفوظ رکھا جائے۔ پولیس کو کام کرنے کی پوری آزادی دی جائے۔ ساتھ ہی قانون کا غلط استعمال کرنے والے پولیس ملازمین و افسران اور جوڈیشیل افسران پر بھی پوری نظر رکھی جائے کہ قانون کا غلط استعمال کرنے والے پولیس ملازمین وافسران اور زیریں عدالتوں کے فیصلوں کے اعلیٰ عدالتوں میں مسترد کردیئے جانے پر جوڈیشیل افسران کے خلاف کارروائی کی جائے۔ ●●

## بقیہ: سیاہ قانون نہیں دیانتداری اور......

انے Unlawful Activities Prevention Act.1967 میں کچھ میم کرکے اسے ملک پر تھوپ دیا۔ بتایا جاتا ہے کہ پرانے سیاہ قوانین (ٹاڈا اور پوٹا غیرہ) اور نئے سیاہ قانون میں سب سے بڑا ر بنیادی فرق یہ ہے کہ حکومت نے پرانے یاہ قوانین کی اس شق کو نئے قانون میں جگہ ہیں دی ہے جو سب سے زیادہ متنازعہ بنی تی ہے، جس کا سب سے زیادہ غلط استعمال لیا جاتا ہے اور جس کی پرزور مانگ بی جے ں کرتی ہے یعنی پرانے قوانین کی طرح نئے یاہ قانون میں پولیس کے سامنے ملزم کے نبالیہ بیان کو جو زبردستی اور طاقت کے وروں پر لیا جاتا ہے اس کے خلاف ثبوت ہیں مانا گیا ہے۔ دیگر معاملوں میں کہا جارہا ہے کہ نیا سیاہ قانون پرانے سیاہ قوانین سے یادہ سخت ہے۔ انسانی حقوق کے تحفظ کی کوئی ضمانت نہیں دی گئی ہے جس کی وجہ سے اس کی مالی اور غلط استعمال کی شکایت پہلے کی طرح قرار رہے گی۔

دہشت گردی کے خاتمے کے لئے جس یک نیتی، خلوص، دیانتداری اور قوت ارادی ی ضرورت ہوتی ہے وہ ہمیشہ مفقود رہتی ہے۔ ملک میں دہشت گردی کے واقعات ڑھنے کی بنیادی وجہ بھی یہی ہے۔ جب تک ہیں یہی نہیں پتہ ہوگا کہ دہشت گردی کے سباب ومحرکات کیا ہیں، اس کے اصلی چہرے ون کون ہیں؟ ان کے مقاصد اور عزائم کیا وتے ہیں؟ اس کا خاتمہ کیسے ہوسکتا ہے؟ رف مفروضات کی بنیاد پر یا کچھ مخصوص ظریات کے حامل لوگوں کے نظریہ کی بنیاد پر ارروائی سے دہشت گردی کی روک تھام ہیں ہوسکتی، وہ بھی ایسے لوگوں کے نظریہ کی یاد پر جن کی سرگرمیاں خود مشکوک اور غیر انونی ہوتی ہیں۔ یہ بات ہر کسی کو معلوم ہے کہ جب بھی ملک میں لوک سبھا یا اسمبلی تخابات ہوتے ہیں یا سنگھ پریوار کی تنظیمیں کسی معاملے میں پھنستی ہیں یا ان پر مصیبت آتی ہے۔ ملک کے کسی حصے میں دہشت گردی کا کوئی نہ کوئی واقعہ ضرور پیش آتا ہے جسے ایک مخصوص سیاسی پارٹی انتخابی ایشو بناتی ہے اور اس کا فائدہ انتخابات میں اٹھاتی ہے لیکن افسوس کہ اس طرح کے پہلوؤں کو دہشت گردی کے واقعات کی انکوائری میں شامل نہیں کیا جاتا بلکہ چند مفروضات کی بنیاد پر یا پہلے سے طے شدہ فریم کے مطابق چند لوگوں کو پکڑ کر ان میں سے ایک کو ماسٹر مائنڈ بتا کر انہیں ملزم بنا دیا جاتا ہے۔ پولیس ان کے خلاف بڑی مشکل سے چارج شیٹ داخل کرپاتی ہے جیسا کہ وہ ۳۱؍دسمبر ۲۰۰۷ء کے رامپور سی آر پی کیمپ پر حملے کے کیس میں ایک سال میں بھی چارج شیٹ داخل نہیں کرسکی یا داخل بھی کردیتی ہے تو ثبوت پیش کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ اس کی وجہ سے بے قصور لوگ مقدمہ سے بری ہوجاتے ہیں اور کیس کی فائل بند ہوجاتی ہے جیسا کہ حیدرآباد کے لمبنی پارک، گوکل چاٹ بھنڈار اور مکہ مسجد بم دھماکے کیس کا حشر ہوا۔ حیرت ہوتی ہے کہ دہشت گردی کے خاتمے کے لئے مفروضات پر عمل کرنے پر تو خوب زور دیا جاتا ہے اور سرکاری وغیر سرکاری سطح پر اس کا پروپگنڈا بھی کیا جاتا ہے لیکن جن معاملوں میں دہشت گردی کے اصلی چہرے بالکل بے نقاب ہوجاتے ہیں جیسا کہ کانپور، ناندیڑ، جالنہ، پورنا، پربھنی، چیروتیری اور ۲۹؍ستمبر کے مالیگاؤں بم دھماکوں وغیرہ، ان کو یا تو نظر انداز کردیا جاتا ہے یا انہیں دبا دیا جاتا ہے۔ ایسے حالات میں دہشت گردی پر قابو کیسے پایا جاسکتا ہے۔ اس لئے دہشت گردی کے خاتمے کے لئے کسی سیاہ قانون کی ضرورت نہیں ہے بلکہ نیک نیتی، خلوص، دیانتداری اور قوت ارادی کی ہے۔ جب تک یہ جذبہ پیدا نہیں ہوگا، یہ مرض اور اس پر سیاست بڑھتی رہے گی۔ ●●

# گرفتار شدہ افراد کے حقوق کو نظر انداز کیا جاتا ہے

کسی بھی شخص کو گرفتار کرتے وقت اس شخص کو بتایا جائے کہ اسے کیوں گرفتار کیا جارہا ہے؟ گرفتار کرنے والے کو یہ بھی بتایا جائے کہ اسے گرفتار کون کررہا ہے؟ گرفتار کرنے والے اور اس کے لواحقین کو یہ بھی بتایا جائے کہ اسے کہاں لے جایا جارہا ہے۔ گرفتار ہوئے شخص کو اپنے لواحقین سے رابطہ قائم کرنے کا حق ہے۔ پولیس اسٹیشن میں گرفتار کیئے گئے شخص کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا اور اسے وہاں کتنی دیر رکھا جائے گا یہ بھی بتایا جائے۔ اس سلسلے میں سرکردہ وکیل اشوک اگروال کا کہنا ہے کہ یہ اصول وضوابط سپریم کورٹ کی جانب سے جاری کیئے گئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ سپریم کورٹ گزشتہ کئی برسوں سے ان ضوابط کو عمل میں لانے کے لئے ریاستی حکومتوں پر زور دے رہی ہے۔ لیکن یہ تمام ہدایات زبانی طور پر دی جاتی ہیں لہٰذا ان پر عمل نہیں ہوتا۔ ملک میں کشمیر اور شمال مشرقی ریاستوں کا شمار 'حساس' علاقوں میں ہوتا ہے۔ یہاں حکومت نے حالات معمول پر بنائے رکھنے کے لئے فوج اور پولیس کو خصوصی اختیارات دئے ہیں۔ لیکن بعض جائزوں اور رپورٹوں سے یہ واضح ہوا ہے کہ ان خصوصی اختیارات کے سبب ان علاقوں میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہوتی رہتی ہے۔ اس سلسلے میں انسانی حقوق کے لئے کام کرنے والے کارکن گوتم نولکھا کا کہنا ہے کہ قانون کے رکھوالے ہی اگر قانون کی خلاف ورزی کریں تو عام آدمی کے پاس کوئی راستہ نہیں رہ جاتا ہے اور قانون کا بھی کوئی مطلب نہیں رہ جاتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ سپریم کورٹ نے کئی بار یہ حکم دیا ہے کہ اگر کسی کو گرفتار کیا گیا ہے تو چوبیس گھنٹے کے اندر اس کے گھر والوں کو اس کے بارے میں خبر دینا چاہئے لیکن صرف جموں و کشمیر کی ہی بات کریں تو یہاں کئی برس گزر جانے کے بعد بھی گرفتار کیئے گئے شخص کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چل پاتا ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ جموں و کشمیر میں حکومت سمجھتی ہے کہ صرف 'سرحد پار سے ہونے والی دہشت گردی' اور 'پس پردہ جنگ' کے علاوہ دوسرا کوئی مسئلہ ہے ہی نہیں جبکہ وہاں سب سے بڑا مسئلہ ریاستی دہشت گردی کا ہے۔ سینئر صحافی پرفل بدوائی کہتے ہیں کہ ہندوستان کی عدالتوں میں جس بے جا لینی 'ہیبس کارپس' کی درخواست کے تحت کوئی بھی شخص جو لاپتہ ہے اسے عدالت میں پیش کرنا لازمی ہوتا ہے اور اگر اسے پیش نہیں کرپاتے ہیں تو یہ بتانا پڑتا ہے کہ آخر وہ ہے کہاں؟ ان کا کہنا ہے کہ جموں و کشمیر میں بیشتر کو اس درخواست کے بارے میں معلوم ہی نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ 'وہاں ایک دہشت کا ماحول ہے اور جس کے سبب لوگ بھی قانونی طریقے اپنانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کے ایک متنازعہ خطے (جموں و کشمیر) میں سرکاری طور پر چار ہزار اور حقوق انسانی کی تنظیموں کے مطابق تقریباً دس ہزار لوگ لاپتہ ہیں۔ اقوام متحدہ کے حقوق انسانی کے چارٹرز اور خود ہندوستان کے اپنے جمہوری اداروں کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ ہزاروں لوگ آج بھی گمشدہ ہیں اور گمشدہ افراد کے لواحقین برسوں سے صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آخروہ ہیں کہاں؟ ہوسکتا ہے کہ اس سوال کا جواب آج نہ ملے لیکن دنیا میں اس طرح کے حالات سے متاثرہ علاقوں کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ حقیقت تاخیر سے ہی صحیح لیکن سامنے ضرور آئی ہے۔ (بی بی سی اردو ڈاٹ کام)

# مسلمان فلسطینیوں کی ہر ممکن مدد کریں/ امام کعبہ

ریاض۔ امام کعبہ شیخ سعود بن ابراہیم الشریم نے عالمی مسلم قائدین سے پرزور اپیل کی ہے وہ اسرائیلی فوجیوں کے خلاف غزہ میں اپنے بھائیوں کی کامیابی کے لئے ہر ممکن کوشش کریں۔ امام کعبہ نے غزہ میں نہتے فلسطینیوں کے خلاف اسرائیلی جارحیت کی شدید مذمت کی اور کہا کہ اسرائیل گھناؤنے جرائم کا مرتکب ہورہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ مسلمانوں کو دشمنوں کے مظالم سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ امام کعبہ نے کہا کہ مسلم قائدین، حکمراں، مفکرین اسلام اور دانشوروں کا یہ دینی فریضہ ہے کہ وہ غزہ میں اسرائیلی جارحیت کا شکار اپنے مسلم بھائیوں کی فتح ونصرت کے لئے ہر ممکنہ اقدام کریں تاکہ ان کی زیادہ سے زیادہ مدد کی جائے۔

حرم شریف میں دس لاکھ سے زائد فرزندان اسلام سے خطاب کرتے ہوئے شیخ سعود بن ابراہیم الشریم نے مسلمانوں پر زور دیتے ہوئے کہا کہ وہ متحد ہوجائیں۔ اگر وہ آپس میں اتحاد ومحبت، اخوت کو فروغ دیں تو آپ کو کوئی شکست نہیں دے سکتا اور اسلام کو نقصان پہنچانے میں بھی ناپاک طاقتیں کامیاب نہیں ہوں گی۔

مرکز کا ماہانہ اجتماع

# تحریک کے پیغام کو عام کرنے کے وسائل پر زور

نئی دہلی۔ جماعت اسلامی ہند کے مرکزی ذمہ داران کی ماہانہ نشست محترم امیر جماعت مولانا سید جلال الدین عمری صاحب کی صدارت میں ۸؍جنوری ۲۰۰۹ء کو مرکز جماعت میں منعقد ہوئی۔ دہلی میں موجود ذمہ داران نے اپنے شعبوں کی کارکردگی بہ ماہ دسمبر ۲۰۰۸ء سے مجلس کو آگاہ کیا۔ سکریٹری شعبۂ دعوت جناب محمد اقبال ملا صاحب نے اکولہ میں حلقہ مہاراشٹر کے نقباء کے کیمپ کی تفصیلات پیش کیں۔ کیمپ کے مختلف پروگراموں کے ساتھ ہی برادران وطن کی دو نشستیں منعقد ہوئیں جن کو ذمہ داران نے خطاب کیا۔ مرکز جماعت آنے والے بعض غیر مسلم حضرات سے دعوتی گفتگوئیں کی گئیں اور بعض کے مسائل حل کیے گئے۔ بیرون دہلی کی بھی بعض اہم شخصیات سے دعوتی ربط رکھا گیا۔

سال رواں میں دعوتی مقاصد کے لئے شعبۂ دعوت نے بیاسی ہزار روپے کا لٹریچر خریدا جس کا بڑا حصہ اسلام کی دعوت کو سمجھنے کے خواہشمند حضرات کو پیش کیا گیا۔ ایس آئی او کی جانب سے دہلی میں منعقدہ احتجاجی جلسہ میں شعبۂ رابطہ عامہ کے اسسٹنٹ سکریٹری جناب رفیق احمد نے خطاب کیا۔ معروف صحافی امریش مشرا اور بعض غیر مقیم ہندوستانیوں کی جانب سے دہشت گردی کے خلاف منعقدہ جلسہ عام میں بھی ذمہ داران جماعت نے شرکت کی۔ شعبے کی جانب سے کولمبیا یونیورسٹی کے پروفیسر محمود ہمدانی کے ساتھ جماعت کے بعض ذمہ داران کے تبادلہ خیالات کی نشست کا اہتمام کیا گیا جس میں موصوف نے ملت کے بعض مسائل اور ان کے حل کے موضوع پر گفتگو کی۔ شہر کی کچھ تعلیمی، ساجی اور میڈیا سے متعلق شخصیات سے ملاقاتیں کی گئیں۔ شعبۂ تعلیم کے سکریٹری جناب محمد اشفاق احمد صاحب نے اطلاع دی کہ اساتذہ کی تربیت کے لئے لیکچرس پر مشتمل سی ڈیز کی ایڈیٹنگ کا کام مکمل ہوگیا۔ درسی کتب کی تیاری، ایڈیٹنگ اور ترجمہ وغیرہ کا کام مختلف حضرات کے تعاون سے جاری ہے۔ جناب اشفاق احمد اور مجتبیٰ فاروق صاحب نے آسیا کے کل ہند اجلاس حیدرآباد میں شرکت کی جس میں ڈاکٹر ظفر عالم صاحب کو اس کا کل ہند صدر منتخب کیا گیا۔ محترم امیر جماعت مولانا سید جلال الدین عمری، قیم جماعت جناب نصرت علی، سکریٹری تعلیمات جناب محمد اشفاق احمد وغیرہ نے جامعۃ الفلاح اعظم گڑھ میں ابنائے قدیم کے جلسہ تقسیم انعامات میں شرکت فرمائی اور جامعہ کی مجلس شوریٰ اور مجلس تعلیمی کے اجلاسوں میں شریک ہوئے۔

۳؍۴؍دسمبر کو مرکز جماعت میں تنظیمی حلقوں کے میڈیا کے ذمہ داران کا ورکشاپ ہوا جس میں ان شعبوں کو مؤثر اور مفید تر بنانے کے ذرائع وتدابیر پر تفصیل سے اظہار خیال ہوا۔ معروف صحافیوں اجیت ساہی، سیما مصطفیٰ اور ضیاء حق وغیرہ نے بھی مختلف موضوعات پر اظہار خیال کیا۔ امیر جماعت اور قیم صاحب نے بھی شرکاء کو خطاب فرمایا اور میڈیا کو تحریک کے پیام کی اشاعت کے لئے بہتر اور مؤثر انداز میں استعمال کرنے کی جانب شرکاء کو متوجہ کیا۔ امیر جماعت، نائب امیر جماعت جناب محمد جعفر صاحب اور قیم جماعت نے ۲۶؍تا ۲۸؍دسمبر حلقہ گجرات کے ارکان کے احمد آباد اجتماع میں شرکت فرمائی اور تنظیمی وتربیتی موضوعات پر رفقاء کو خطاب کیا۔ شعبۂ اسلامی معاشرہ کے سکریٹری مولانا محمد رفیق قاسمی صاحب نے لکھنؤ میں اترپردیش فلاح عام سوسائٹی کے اجلاس میں شرکت اور شہر کے علمائے کرام اور دیگر ذمہ دار حضرات سے ملاقات کی اور مسائل حاضرہ پر تبادلہ خیالات کیا۔ موصوف نے اورنگ آباد مہاراشٹر میں خواتین کے اجتماعات کو خطاب کیا۔ آپ نے خواتین کے تربیتی وتنظیمی اجتماع میں بھی شرکت کی اور خواتین میں کاموں کا جائزہ لیا۔ خواتین کی صلاحیتوں کے فروغ کے لئے، خواتین کے مسائل سے متعلق موضوعات پر خواتین سے اٹھارہ مضامین لکھوائے گئے، جن میں سے اب تک کچھ سہ روزہ دعوت میں شائع ہوچکے ہیں۔ مولانا نے مرکز اسلامی اورنگ آباد میں علماء ومعززین کی نشست میں شرکت کی۔ دینی وملی مسائل پر باہم تبادلہ خیالات کیا۔ ۱۸؍دسمبر کو شہر کے نہرو بھون میں علماء کنونشن کا انعقاد ہوا جس میں ۱۶۰ علمائے کرام اور اتنی ہی تعداد میں دیگر حضرات نے شرکت کی۔ مولانا نے اختتامی خطاب فرمایا اور اسلامی نظام کی عظمت واضح کی۔ مولانا رفیق قاسمی صاحب نے جمشید پور میں ۲۷؍دسمبر کو علماء کنونشن کو خطاب کیا اور دین وملت کے تعلق سے علمائے کرام کی ذمہ داریوں کو واضح کیا۔ شعبہ ملی وملکی مسائل کی جانب سے جماعت کے زیر اہتمام پورے ملک میں منعقدہ کاروان امن وانصاف کے فالواپ پروگراموں کے لئے تنظیمی حلقہ جات کو متوجہ کیا گیا۔ اسسٹنٹ سکریٹری شعبہ جناب انتظار نعیم نے الہ آباد کا چار روزہ تحریکی سفر کیا۔ معروف دلت تنظیم BAMCEF کے ذمہ داران سے رابطہ کیا گیا۔ ممبئی دھماکوں کے بعد کی صورتحال میں ضروری خدمت کے کاموں کے سلسلے میں حلقہ مہاراشٹر سے مسلسل مشورے رہے۔

محترم امیر جماعت کی موجودگی میں اسلامک سنٹر فار اسلامک فائنانس (ICIF) کے ٹرسٹی حضرات کا انتخاب ہوا۔ ڈاکٹر فضل الرحمن فریدی کا چیرمین اور جناب ایچ عبدالرقیب کا جنرل سکریٹری کی حیثیت سے تعین ہوا۔ پلاننگ کمیشن کے ڈپٹی چیرمین جناب مونٹیک سنگھ اہلوالیہ سے ایک ملاقات میں ملک میں اسلامی بلاسودی بنک کاری کے قیام کے لئے عرضداشت پیش کی گئی۔ گزشتہ مہینوں کی معمول کی نشستوں میں مختلف شعبوں کی مختصر رپورٹوں کے علاوہ قیم جماعت جناب نصرت علی اور اسسٹنٹ سکریٹری جناب انتظار نعیم کی جماعت اسلامی پاکستان کی دعوت میں جماعت کے سالانہ اجتماع میں شرکت کا تذکرہ کیا گیا۔ جناب انتظار نعیم نے بتایا کہ اجتماعات عام میں جماعت اسلامی ہند کی خدمات کے موضوع پر قیم جماعت جناب نصرت علی کا خطاب ہوا۔ شرکاء کی جانب سے جماعت کی کوششوں پر غیر معمولی پسندیدگی کا اظہار کیا گیا۔ جماعت کے وفد نے امیر جماعت اسلامی پاکستان جناب قاضی حسین احمد صاحب، قیم جماعت جناب سید منور حسین صاحب سمیت دیگر مرکزی قائدین اور لاہور و کراچی میں صوبائی ذمہ داران سے ملاقات اور تبادلہ خیالات کے مواقع سے استفادہ کیا۔ جناب نصرت علی نے دونوں شہروں میں مختلف نشستوں کو خطاب کیا اور مختلف اداروں کے ذمہ داران سے وفد نے ملاقاتیں کیں۔ ادارہ معارف اسلامی کراچی، روزنامہ جسارت اور منصورہ لاہور وغیرہ میں یادگار نشستیں منعقد ہوئیں۔ جناب مظفر ہاشمی سابق ممبر نیشنل اسمبلی نے جناب انتظار نعیم کے اعزاز میں جمعیۃ الفلاح کراچی میں ادبی نشست منعقد فرمائی۔

گزشتہ ماہ کی نشست میں جناب انتظار نعیم نے خاص طور پر محترم امیر جماعت کی قیادت میں کیئے گئے کاروان امن وانصاف کے انتہائی کامیاب سفر...... دہلی، لکھنؤ، ممبئی، حیدرآباد، کولکتہ، چنئی، ویلور، وانمباڑی، بنگلور، منگلور، ارناکلم، (کیرلا) کی رپورٹ پیش کی اور بتایا کہ شہر شہر مسلم وغیر مسلم مرد وخواتین نے جوق درجوق کارواں اور اس کے پروگراموں میں شریک ہوکر اس کو یادگار بنایا۔ دہلی سے نکلے ہوئے دوسرے کارواں کی قیادت قیم جماعت جناب نصرت علی نے فرمائی۔ جو اپنا پیام عام کرتا ہوا جبل پور، ناگپور، بھوپال، اندور، ممبئی، تھانے، احمد آباد، بڑودہ، کوٹا، جے پور سے گزرا اور ایک دیرپا نقش اور گونجتی ہوئی صدائے امن وانصاف چھوڑ گیا۔

# ڈیموکریٹ لباس میں نئی ری پبلکن اوباما انتظامیہ

تحریر: محمد جمال عرفہ
ترجمہ: مسعود الرحمان خاں ندوی

نئے امریکی صدر کی انتظامیہ میں ہلیری سمیت بل کلنٹن کی انتظامیہ کے اکثر وزراء و عہدیداروں کی شمولیت پر امریکی سیاستدانوں و ماہرین کا تبصرہ یہ ہے کہ بارک اوباما حکومت کلنٹنیوں کا مجمع بن گئی ہے"۔ نیویارک ٹائمز نے مذاق میں لکھا: "اعلان شدہ سرکاری نتائج کے برخلاف ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہلیری اور بل کلنٹن انتخابات میں جیتے ہیں"۔ اور عرب خطے کے لحاظ سے جن کو بارک اوباما نے متعین کیا ہے وہ صرف کلنٹن ہی نہیں بلکہ ری پبلکن کی طرح انتہا پسند تو محافظ چڑی مار ڈیموکریٹ ہیں جن کے ہاتھ متعدد عرب اسلامی مسائل کے خون میں لت پت ہیں۔ امریکہ میں ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد ری پبلکنز اور ڈیموکریٹس دونوں میں انتہا پسند بنیاد پرست محافظ رجحان ابھرا ہے اور نو محافظ ڈیموکریٹس کے بھی وہی خیالات ہیں جو ری پبلکنز کے ہیں اور وہ بھی عرب مسلم دشمنی اور اسرائیل کی جانبداری کی پالیسی میں ری پبلکنز ہی کے نقش قدم پر ہیں بلکہ محافظ ڈیموکریٹ فکر کے ایک مرکز "ترقی پسند سیاسی ادارہ" کے صدر کی کتاب کے عنوان کے مطابق وہ "حریت کے دفاع اور انتہاپسندی کو شکست دینے کے لئے ترقی یافتہ حکمت عملی" اپناتے ہیں، نیوریپبلک کے مدیر اعلیٰ پیٹر بنیارت جیسے بعض لوگ صدر ٹرومین کے سرد جنگ کے وضع کردہ اصولوں کی طرف واپسی کی اپیل کرتے ہیں تاکہ "دہشت گردی کے خلاف جنگ کے دائرے کو وسعت دی جاسکے"۔ اوباما کی نئی انتظامیہ تقریباً انہی عناصر پر مشتمل ہے جو عراقی جنگ، افغانستان و پاکستان میں محاذ کو گرم اور ممبئی دھماکوں کے بعد اس خطے میں آگ بھڑکانے کے مؤید ہیں۔ عرب اسلامی ممالک کے خلاف جنگ کی مؤید اور تشدد کے لئے معروف شخصیات کے تقرر سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ بارک اوباما "اسی تبدیلی" کی بات کرتے تھے، اس لئے یہی احتمال ہے کہ بارک اوباما اور ان کی انتظامیہ بش اور ان کے انتظامیہ کا ثانی نسخہ (Duplicate Copy) ہوگی اور تبدیلی صرف "ڈیموکریٹ پارٹی کے بورڈ" کی ہوگی۔

بعض تبصرہ نگار عرب مسائل پر گفتگو سوڈان سے شروع کرتے ہیں جس کو نئی اوباما انتظامیہ کے زمانے میں خطرات درپیش ہیں اس لئے کہ اس انتظامیہ میں بشیر حکومت کے مخالفین کی بڑی تعداد شامل ہے جو سوڈان پر فوجی ضرب لگانے کے داعی ہیں۔ خود اوباما اور ان کی انتظامیہ کے کئی نمایاں عہدیدار اور ان کی پارٹی کے دسیوں ارکان (جن کو کانگریس میں بھی غلبہ حاصل ہوگیا ہے) اس اتحاد کے ممبر تھے جو دارفور کی نجات (سوڈان سے علیحدگی) کے لئے بنا تھا اور جس کو یہودی لابی خرطوم پر دباؤ ڈالنے کے لئے اس بنیاد پر چلا رہی تھی کہ وہاں افریقی عربوں نے نسلی مذابح قائم کردیے ہیں۔ اس اتحاد نے کانگریس اور وہائٹ ہاؤس پر بھی خرطوم اور باغی جماعتوں کے مابین پر امن حل نہیں بلکہ پابندیوں اور فوجی اقدام کے لئے دباؤ ڈالا تھا، اور سوڈان کے محاصرہ اور عراق کے طرز پر No Fly Zone (غیر پروازی علاقے) قائم کرنے اور کیمیائی اسلحہ بنانے کے الزام میں ۱۹۹۸ء میں کلنٹن انتظامیہ کے خرطوم میں الشفا کارخانے پر بمباری کی طرح کے فوجی حملوں کی بات کی تھی۔ اس کے علاوہ اوباما، ہلیری کلنٹن اور صدارتی امیدوار جان میک کین نے صدارتی انتخابات ابتدائی مرحلے کے دوران ایک مشترک بیان میں خرطوم پر دارفور میں شہریوں کے خلاف وحشیانہ جرائم کے ارتکاب کا الزام لگاکر دھمکی دی تھی کہ "آئندہ آنے والی انتظامیہ دارفور کے حالات سے عزم مصمم کے ساتھ سختی سے نمٹے گی۔" اقوام متحدہ میں امریکی وفد کی نئی صدر افریقی نسل کی امریکی سوزان رائس دارفور میں سخت کارروائیوں کی مؤید ہیں اور خارجہ امور کی کانگریس کمیٹی کے سامنے گواہی میں ۲۰۰۷ء میں کہہ چکی ہیں کہ وہ سوڈان حکومت کی دارفور میں قتل کی کارروائیاں روکنے پر مجبور کرنے کے لئے اس کے خلاف فوجی کارروائی کی مؤید ہیں۔

نئی اوباما انتظامیہ کی شکل وصورت واضح ہونے کے بعد خود امریکی افواج کی عراق سے سولہ ماہ کے اندر نام نہاد واپسی پر سوال قائم ہوگیا ہے۔ اس لئے کہ نئے نائب صدر جوزف بائیڈن عراق کی تین علیحدہ ریاستوں میں تقسیم کے قائل ہیں اور وہ برملا کہتے ہیں: "میں صہیونی ہوں"، وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن خود کو فوجی باز، چڑی مار (Hawk) کہنا پسند کرتی ہیں، اس کے علاوہ ناٹو افواج کے سابق کمانڈر جیمس جونز مشیر صدر برائے قومی سیکورٹی امور اور ریزونا صوبہ کی گورنر جانیت نابولیتانو وزیر برائے اندرونی سیکورٹی کی حیثیت سے تقررات، جو کہ متشدد ڈیموکریٹ محافظ ہیں اور ری پبلکن محافظین سے کسی طرح کم نہیں ہیں اور عراق کے خلاف جنگ کے مؤید رہے ہیں، نیز محافظ ری پبلکن سابق وزیر دفاع رابرٹ گیٹس کی اپنے عہدے پر بحالی وغیرہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اوباما کا سولہ ماہ میں عراق سے امریکی افواج کی واپسی کا اعلان وعدۂ فردا ہی رہے گا جس کے پورا ہونے کا بظاہر کوئی امکان نہیں ہے۔

غزہ کے خلاف جاری محاصرہ اور سنگدلانہ ظلم وستم پر امریکہ کی خاموشی سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ اوباما حکومت کے زیر سایہ فلسطین کا مسئلہ سب سے زیادہ بدنصیب ہوگا، صرف اس لئے نہیں کہ خود اوباما اسرائیل کی طرف اپنی جانبداری اور اس کو پورا قدس شریف دے دینے کا اعلان کرچکے ہیں، بلکہ اس لئے بھی کہ ان کے عہدیداروں کا باقی مجموعہ بھی شدید عرب مخالف ہے یا وہ امریکی بلکہ اسرائیلی یہودی ہیں جو مکمل طور پر اسرائیل کے طرفدار ہیں۔ مزید پریشان کن بات اسرائیلی راہم ایمانویل وہائٹ ہاؤس چیف آف اسٹاف، یہودی ڈیوڈ اکسلر وڈ سینئر ایڈوائزر اور قاہرہ، اس کے بعد تل ابیب میں سابق امریکی سفیر محافظ یہودی دانیال کیرتزر مشرق وسطیٰ کے لئے خاص مبعوث / ایلچی (Envoy) کی تقررات ہیں، آخرالذکر کی اہمیت یہ ہے کہ وہ یہودی دینی یشیفاہ کالج کے پرنسپل تھے اور ان بزرگوار ہی نے اوباما کی وہ تقریر لکھی جو انھوں نے اسرائیل کی مددگار امریکی یہودی تنظیموں کی کانگریس (ایپاک) کے سامنے کی تھی اور اس میں کہا تھا: وہ پورے قدس پر یہودی قبضے کی تائید کرتے ہیں یعنی سابق امریکی انتظامیوں کی طرح یہ مسئلہ قابل گفتگو نہیں ہے۔

نئی انتظامیہ کے متعدد افراد خاص طور سے ہلیری کلنٹن کا خیال ہے کہ ایران کے خلاف فوجی کارروائی ضروری ہے، جبکہ دیگر افراد تہران اور دمشق پر اثرانداز ہونے کے لئے پہلے اقتصادیات، سفارت کاری اور ثقافت کی "نرم طاقت" کے استعمال اور قابل عمل فیصلہ کن مذاکرات کے بعد احتیاطی (Priventive) فوجی کارروائیوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ خود بارک اوباما نے انتخابی مہم کے دوران ایران، شمالی کوریا اور کیوبا کے ساتھ گفتگو کے احتمال کا ذکر کیا تھا، لیکن یہ بھی کہا تھا کہ عراق میں جنگ کی مخالفت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ امریکہ کے مفادات خطرے میں پڑنے کے وقت بھی وہ طاقت کے استعمال میں تردد سے کام لیں گے۔ نیز انھوں نے معمورۂ زمین پر سب سے طاقتور امریکی مسلح افواج کے دوام و بقا کے لئے ان کی توسیع کی بھی بات کی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب ایک طرف ری پبلکن پارٹی کا سورج غروب ہونے کو ہے اسی وقت ڈیموکریٹ پارٹی کے اندر سے اسی ذہن کا سورج طلوع ہو رہا ہے اور افغانستان و عراق کے بعد اب ان کے ہاتھوں عرب و مسلمانوں کو شاید پاکستان و سوڈان میں مصائب جھیلنے کا خطرہ ہے۔ ان چڑی ماروں کی بے لگامی پر اگر کسی روک کا امکان ہے تو وہ صرف اس بات سے ہے کہ اس وقت ان کا ملک سخت مالی بحران میں گرفتار ہے۔

(ہفت روزہ الامان، بیروت)

# پہلے معرکہ میں حماس سرخرو رہی

آصف جیلانی (لندن)

۳ جنوری کی رات کو تاریکی میں تین سمت سے غزہ پر ٹینکوں، بکتر بند گاڑیوں، ہیلی کاپٹروں اور شن بیت کے جاسوسوں سے لیس اسرائیلی بری فوج کا حملہ اس حقیقت کی دلیل ہے کہ آٹھ روز پہلے اسرائیل نے غزہ پر ہولناک بمباری کے ساتھ حماس کے خلاف جو معرکہ شروع کیا تھا وہ اس میں یکسر ناکام رہا ہے۔ غزہ پر حملوں کے آغاز پر اسرائیل کا یہ کہنا تھا کہ ان حملوں کا مقصد غزہ کے عوام کو حماس اور اس کی قیادت سے نجات دلانا ہے اور جنوبی اسرائیل پر غزہ کے راکٹوں کے حملوں کو روکنا ہے۔ آٹھ روز تک اسرائیلی جنگی طیاروں کی وحشیانہ بمباری کے باوجود جس میں ساڑھے پانچ سو فلسطینی جاں بحق ہوئے، حماس کے دو اہم رہنما نزار ریان اور ابوزکریا الجمال شہید ہوئے اور متعدد مساجد سمیت تمام سرکاری عمارتیں مسمار ہوگئیں، اسرائیل اپنے دونوں اہداف حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے۔ اسرائیل نے عین اس وقت جبکہ فروری میں عام انتخابات ہونے والے ہیں ان حملوں کا جواز یہ پیش کیا تھا کہ حماس نے اسرائیل پر راکٹوں کے حملوں کا سلسلہ دوبارہ شروع کرکے جنگ بندی توڑی ہے جس کی اسے سزا ملنی چاہئے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ چھ ماہ قبل جو جنگ بندی طے ہوئی تھی وہ اس لحاظ سے حقیقی جنگ بندی نہیں تھی کہ اسرائیل نے غزہ کا محاصرہ بدستور برقرار رکھا تھا، غزہ کے عوام پر روزگار، خوراک، بجلی اور پانی کے ذرائع مسدود کردیے تھے۔ سمندر کا راستہ بند کردیا تھا اور مصر کے ساتھ گٹھ جوڑ کرکے رفاہی راہداری بھی مقفل کردی تھی۔

دوسرے پچھلے چھ ماہ کے دوران اسرائیل پر حماس کے راکٹوں کے حملوں کا سلسلہ بند تھا۔ یہ سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب اسرائیل نے جنگ بندی کی خلاف ورزی کی اور حماس کے چھ کارکنوں کو غزہ میں ہلاک کردیا۔ غزہ پر گزشتہ آٹھ روز کی ہولناک بمباری کے بعد جب اسرائیل اپنے مقاصد حاصل کرنے میں ناکام رہا تو اس نے دس ہزار فوج کے ساتھ زمینی حملہ شروع کردیا ہے۔ بلاشبہ اس کے نتیجے میں جس بڑے پیمانے پر ہلاکتیں ہوں گی اور مزید تباہی ہوگی اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ لیکن اس جنگ میں بھی اسرائیل کی شکست اور حماس کی فتح کے واضح اشارے نظر آتے ہیں۔

جنگ میں ہار اور جیت کا پیمانہ ہلاکتوں کی تعداد اور تباہی نہیں ہوتا بلکہ اصل پیمانہ یہ ہوتا ہے کہ کون جنگ میں اپنے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب رہا اور کون ناکام رہا۔ اگر واقعی اسرائیل کا مقصد حماس کا قلع قمع کرنا ہے تو اس زمینی حملے میں اسرائیل کا یہ مقصد حاصل ہوتا نظر نہیں آتا۔ حماس کا قلع قمع کرنے کے لئے اسرائیل کو غزہ پر دوبارہ قبضہ کرنا لازمی ہوگا۔ موجودہ حالات میں اسرائیل کا غزہ پر دوبارہ قبضہ ممکن نظر نہیں آتا۔ بین الاقوامی رائے عامہ بھی اسرائیل کی راہ میں زبردست رکاوٹ ثابت ہوگی۔ یہ ممکن ہے کہ اسرائیلی فوج کچھ عرصے کے لئے شمالی غزہ پر قابض رہے جہاں سے اس کا خیال ہے اسرائیل پر راکٹ داغے جاتے ہیں اور جنگ بندی کے ساتھ حملوں کا یہ سلسلہ بند ہوجائے اور اسرائیل کو اپنی فوجیں واپس بلانے کا جواز ہاتھ آجائے اور یوں اسرائیل کو اس جنگ سے نجات حاصل ہوجائے۔ غزہ پر زمینی حملہ ہوتے ہی اسرائیل کے تبصرہ نگاروں نے یہ کہنا شروع کیا ہے کہ اس کا مقصد محض حماس کی کمر توڑنا ہے اور اسے نئی جنگ بندی پر مجبور کرنا ہے۔ یہ اس بات کا اعتراف ہے کہ آٹھ روز پہلے غزہ پر حملوں کے وقت جو ہدف تھا وہ بڑی حد تک بدل گیا ہے۔ پھر جو شخص بھی غزہ کی صورتحال کی حقیقت سے باخبر ہے وہ یہ سوچ نہیں سکتا کہ غزہ پر حماس کا اثر ورسوخ یا کنٹرول آسانی سے ختم ہوسکتا ہے۔ لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ چار سال قبل فلسطین میں عام انتخابات میں امریکہ اور اسرائیل کی زبردست مخالفت اور فتح کے محمود عباس کی ہر طرح سے حمایت اور مالی مدد کے باوجود حماس فتح مند رہی تھی۔ حماس کے پندرہ ہزار سے لے کر بیس ہزار تک مسلح کارکن ہیں اور گزشتہ اٹھارہ مہینوں میں حماس نے غزہ میں اپنی پوزیشن مضبوط کی ہے۔

دفاعی مبصرین کا خیال ہے کہ جلد یا بدیر جنگ بندی پر یہ دوسرا معرکہ ختم ہوگا۔ فرانس کے صدر نکولس سرکوزی چند دن پہلے اسرائیل پہنچے ہیں۔ پچھلے ہفتے اسرائیل کی وزیر خارجہ زپی لیونی پیرس گئی تھیں جہاں انھوں نے جنگ بندی کی تجویز پر بات کی تھی اور توقع ہے کہ فرانسیسی صدر کی کوششوں سے نئی جنگ بندی طے ہوجائے گی تاہم نکولس سرکوزی نے بھی الزام حماس پر دھرا ہے۔ اگر حماس کے ساتھ یہ جنگ بندی طے ہوتی ہے تو یہ بذات خود حماس کی سفارتی جیت ہوگی کیونکہ یوں حماس اپنی سیاسی معتبری حاصل کرنے میں کامیاب رہے گی۔ دوسرے یہ کہا جاتا ہے کہ نئی جنگ بندی کے تحت اسرائیل غزہ کا محاصرہ ختم کرنے پر مجبور ہوگا۔ یہ بھی حماس کی جیت ہوگی کیونکہ وہ یہی مطالبہ کرتی آئی ہے کہ غزہ کو تمام پابندیوں سے آزاد کیا جائے۔ جہاں تک اسرائیل پر راکٹوں کے حملوں کا تعلق ہے تو حماس اس کو جاری رکھنے میں سنجیدہ نہیں۔ پہلے بھی اس نے جنگ بندی کے دوران یہ حملے بند کردیے تھے۔ عام خیال ہے کہ نئی جنگ بندی کی صورت میں غزہ کا حصار ختم ہوگا اور اسرائیل اور مصر کے ساتھ غزہ کی تجارت بحال ہوگی۔ اس صورت میں غزہ کی معیشت کی بحالی کے نتیجے میں غزہ میں حماس کا اثر ورسوخ بڑھے گا اور حماس کی معتبری میں اضافہ ہوگا اور نہ صرف غزہ میں بلکہ غرب اردن اور فلسطین سے پرے عرب دنیا میں حماس کی مقبولیت میں زبردست اضافہ ہوگا اور یہ حماس کی زبردست فتح ہوگی۔ ●●

# صہیونی اور صلیبی دہشت گردی

پروفیسر محمد شکیل صدیقی

غزہ میں حماس کے مراکز پر اسرائیلی جنگی طیارے مسلسل میزائل اور بموں کی بارش کررہے ہیں، علاقہ قیامت صغریٰ کا منظر پیش کررہا ہے۔ غزہ آگ اور خون کی لپیٹ میں ہے، ہر طرف لاشیں بکھر رہی ہیں، ہسپتال لاشوں اور زخمیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ شیرخوار بچوں، عورتوں اور نوجوانوں کے جنازے اٹھ رہے ہیں۔ صرف تین دن میں ساڑھے تین سو سے زائد فلسطینی شہید اور ایک ہزار سے زائد زخمی ہوئے ہیں۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ فلسطین کا "کرزئی" محمود عباس، عالمی دہشت گرد امریکہ اور مصری آمر مطلق حسنی مبارک، حماس کو اسرائیلی دہشت گردی کا ذمہ دار قرار دے رہے ہیں۔

غزہ پر اسرائیل کا وحشیانہ حملہ محمود عباس، حسنی مبارک اور بش کا مشترکہ سازشی منصوبہ ہے۔ ۲۷ دسمبر کو غزہ پر حملے سے صرف دو روز قبل اسرائیلی وزیر خارجہ زپی لیونی نے مصری صدر حسنی مبارک سے ملاقات کے بعد حماس کے خلاف انتہائی بازاری زبان استعمال کرتے ہوئے کہا: "اب بہت ہوچکا ہے، حالات بدل چکے ہیں اور حالات کے ذمہ دار غزہ کے فلسطینی اور حماس ہیں۔ حماس کو خود کو قابو میں رکھنا ہوگا، امن کیلئے ہماری خواہش کو کمزور نہ سمجھا جائے، اسرائیل ان حالات کو زیادہ عرصہ برداشت نہیں کرے گا"۔ واضح رہے کہ اسرائیلی وزیر خارجہ زپی لیونی نے چندروز پہلے کہا تھا کہ اس کی قرامہ پارٹی برسراقتدار آئی تو حماس کو ختم کردے گی۔ اسرائیلی وزیر خارجہ نے حماس کے خلاف جوہرزہ سرائی کی اس وقت مصری وزیر خارجہ موجود تھا، غزہ پر بڑے پیمانے پر اسرائیلی فوجی کارروائی کا اعلان دو روز قبل اسرائیلی وزیر دفاع ایہود بارک بھی کرچکا تھا۔ حماس کے خلاف فوجی کارروائیوں کے واضح اعلانات اور تیاریوں کے باوجود اسلامی دنیا کا کوئی ادارہ اور نہ ہی عالمی ادارہ حرکت میں آیا جو اسرائیل کو جنگی حملے سے باز رکھتا، کہا جاسکتا ہے کہ غزہ پر اسرائیل کا وحشیانہ حملہ امریکہ اور اس کے ایجنٹوں کا طے شدہ منصوبہ تھا۔ عرب لیگ اور او آئی سی نے اسرائیل کے پیشگی حملوں اور دھمکیوں کا بھی کوئی نوٹس نہیں لیا، غزہ پر اسرائیلی حملے کے بارے میں تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ اسرائیلی حملہ امریکہ کی نئی اوباما انتظامیہ کے دل میں ایسا کوئی خیال ہی نہیں ہے۔ اوباما نے اپنی انتظامیہ میں پہلا تقرر ہی ایک صہیونی کا کیا اور اسے وہائٹ ہاؤس کا چیف آف اسٹاف مقرر کیا۔ بعض تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ اسرائیل اور فلسطین میں بالترتیب فروری اور جنوری میں الیکشن ہونے والے ہیں اس لئے اسرائیل اور محمود عباس نے داخلی حالات سے توجہ ہٹانے اور سیاسی و انتخابی مفاد کے لئے یہ حملہ کیا۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ "حماس" مشرق وسطیٰ کی واحد نظریاتی تحریک ہے جو نہ صرف فلسطینیوں کی نمائندہ اور ان کے جذبات کی ترجمان بلکہ حماس کے اثرات عرب ممالک بلکہ پوری دنیا کی اسلامی تحریکوں میں جہاد کی جوت جگا رہے ہیں۔ دو سال قبل فلسطین اتھارٹی کے انتخابات میں الفتح کے مقابلے میں حماس کی عظیم الشان کامیابی اور اس کی جمہوری حکومت کو سازش کے تحت مفلوج کیا، مہینوں سے جاری غزہ کا محاصرہ اور ناکہ بندی کرکے توانائی، غذا اور پانی اور ادویات کی قلت پیدا کی گئی تاکہ حماس کو اسرائیل کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا جاسکے۔ لیکن حماس نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کردیا۔ حماس کا "جرم" صرف یہ ہے کہ اس نے اسرائیلی محاصرہ اور ناکہ بندی کے بعد ۲۶ دسمبر کو امن معاہدہ کی تجدید سے انکار کردیا اور یہ انکار مبنی برحق تھا اسرائیل نے امن معاہدے کی خلاف ورزی کی، غزہ میں فلسطینیوں کا پانی، بجلی اور شیرخوار بچوں پر دودھ اور دوا بند کردی، اس ظلم و بربریت کے بعد حماس کے پاس یہ راستہ تھا کہ وہ امن معاہدے کی تجدید نہ کرے۔

۲۷ دسمبر سے جاری حملوں کے بعد حماس کے سربراہ خالد مشعل نے تیسری انتفاضہ شروع کرنے کا اعلان کردیا ہے۔ حملے کے بعد حماس کے کارکنوں کے حوصلے پست نہیں بلکہ پہلے سے زیادہ بلند ہوئے۔ حماس کے کارکنوں نے جس طرح زخمیوں کو ہسپتال پہنچایا اور ہزاروں کی تعداد میں جنازہ جلوسوں میں شرکت کی اور اسرائیل کے خلاف مزاحمت کا اعلان کیا وہ قابل رشک ہے۔ غزہ پر اسرائیل کے وحشیانہ حملوں کے خلاف پورا مراکش اور جکارتہ تک لاکھوں مسلمان احتجاج اور مظاہرے کر رہے ہیں۔ ایک سعودی اسکالر نے غزہ پر وحشیانہ اسرائیلی حملے کے بعد فتویٰ دیا ہے کہ دنیا بھر میں اسرائیل کے خلاف جہاد اور اس کی تنصیبات پر حملے جائز ہیں اور انہیں نشانہ بنایا جائے۔ اب صرف اسلامی نظام ہی دنیا بھر کے انسانوں کیلئے راحت اور ترقی کی ضمانت بن سکتا ہے لیکن ہم یہاں اس بات کی نشاندہی پھر کریں گے کہ مسلم امہ کو سب سے پہلے امریکہ اور اسرائیل کے ایجنٹ حکمرانوں سے نجات حاصل کرنا ہوگی اور اپنے مسلمان بھائیوں کو سیاسی قیادت کی تبدیلی کے لئے تیار کرنا ہوگا۔ ●●

# تعلیم کے محاذ پر پسماندگی کیوں؟

عارف عزیز بھوپال

آزادی کے بعد ملک میں اشاعت تعلیم کا کام نہایت سرعت کے ساتھ شروع کیا گیا جس کی وجہ سے آج تعلیم گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ پہنچ چکی ہے اور نتیجہ میں آج اسکول جانے والے بچوں کی تعداد کافی بڑھی ہے۔ پرائمری اسکول، ہائی اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آزادی کے وقت ملک میں خواندگی کا اوسط جو صرف پندرہ فیصد تھا وہ آج ۶۵ فیصد سے زیادہ ہوگیا ہے۔ آزادی کے وقت چھ کروڑ خواندہ آج ۶۵ کروڑ تک پہنچ چکے ہیں مگر اضافہ آبادی کو دیکھتے ہوئے وسائل کی کمی ایک مسئلہ بنی ہوئی ہے۔

ہر سال جب نیا تعلیمی سیشن شروع ہوتا ہے تو عام لوگ جس طرح کے مسائل سے دوچار ہوتے ہیں ان کو دیکھ کر تعلیم کے محاذ پر ساری ترقیات مہمل نظر آنے لگتی ہیں۔ طلباء کو اسکولوں میں داخلے کے لئے مارا مارا پھرنا پڑتا ہے۔ ان کے سرپرستوں کو نئی کتابوں، اسکول یونیفارم اور فیس وغیرہ کی پریشانی ہفتوں پہلے سے لاحق ہوجاتی ہے۔ اسکولوں میں پہلی مرتبہ داخل ہونے والے بچوں کے لئے پیدائش سرٹیفکیٹ کا مسئلہ ایک جنجال بن چکا ہے جس کا حصول عام آدمی کے بس سے باہر ہے۔

ماہرین تعلیم کی رائے ہے کہ پرائمری سطح پر کتابوں کی تعداد کو کم رکھا جائے تاکہ بچوں کی ذہنی نشوونما ان کے قدرتی رجحانات کے مطابق ہوسکے اور ان میں تجسس کی صلاحیت پیدا ہو مگر آج بھی پرائمری اسکولوں کے بچوں کو اسکول اور گھر کے درمیان کتابیں ڈھوتے دیکھا جاسکتا ہے۔

موجودہ پرائمری اسکولوں میں چالیس فیصد بچے جھونپڑیوں، شامیانوں یا کھلے میدانوں میں پڑھتے ہیں۔ بیشتر اسکولوں میں بچوں کے بیٹھنے کے لئے ٹاٹ تک موجود نہیں ہے اور اسی طرح بلیک بورڈ یا تختہ سیاہ سے جو ایک ضروری چیز ہے محروم ہیں آدھے سے زیادہ اسکولوں کے احاطے میں پینے کے پانی کا کوئی انتظام نہیں ہے اور چھ لاکھ پرائمری اسکولوں میں سے دو لاکھ سے زیادہ اسکولوں کو صرف ایک ٹیچر چلا رہا ہے کہ وہ غیر حاضر ہوتا ہے تو تعلیم ٹھپ ہوکر رہ جاتی ہے۔ آج ملک کے نونہالوں کے لئے جس قدر اسکول درکار ہیں موجودہ اسکولوں کی تعداد اس سے بہت کم ہے۔ ان کے لئے بیس لاکھ کلاس روم چاہئیں جن کی تعمیر کا تخمینہ پچیس ارب روپے لگایا جاسکتا ہے اور یہ سردست ناممکن ہے اور بظاہر اس مسئلہ کا حل یہ ہے کہ مختلف ادارے تعلیم کے میدان میں اتریں اور شہروں کی طرح گاؤں قریہ اور بستی میں بھی پرائیویٹ اسکولوں کا نظام چلایا جائے مگر تجارتی اعتبار سے یہ نفع کا سودا نہیں ہوسکتا اس لئے علاقے کے مخیّر حضرات اپنی دولت کا کچھ حصہ تعلیم کو پھیلانے میں صرف کریں۔ چنگی بھر آٹا یا مٹھی بھر اناج کی اسکیموں سے ان اسکولوں کو چلایا جاسکتا ہے۔

ایک اور اہم مسئلہ یہ ہے کہ ہر ایک سو بچوں میں سے جو پہلے درجے میں داخل ہوتے ہیں ان میں ساٹھ بچے پانچویں درجے اور ۸۰ بچے آٹھویں درجے کے بعد تعلیم چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ والدین کے پاس اتنا پیسہ نہیں کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم جاری رکھ سکیں اور وہ ان کی تعلیم پر رقم صرف کرنے کے بجائے اولاد کی محنت مزدوری سے گھر کی آمدنی بڑھانا چاہتے ہیں۔ اس لئے اگر پڑھائی کے دوران کمائی کی صورت نکل سکے تو بہت سے بچوں کی تعلیم پرائمری سطح کے بعد بھی جاری رہ سکتی ہے۔

اسی طرح نصاب کو ہلکا کرکے اس کے حجم کو کم کرنے کی ضرورت سے بھی انکار ممکن نہیں لیکن اس تبدیلی میں علاقائی ضرورتوں کے ساتھ ساتھ شہری اور دیہی آبادی کے تقاضوں کا خیال رکھنا چاہئے اور یہ بھی کہ تعلیم کو معیاری بنانے کے شوق میں پرائمری سطح پر متعدد مضامین کی تعلیم دی جاتی ہے جس کی وجہ سے اول بچے گھبراتے ہیں۔ دوسرے ان کے کھیلنے کودنے یا دیگر کاموں کے لئے وقت نہیں بچتا۔ اکثر ان کے اسکول سے غائب رہنے کا بھی یہی سبب بنتا ہے اس لئے پرائمری سے لے کر ثانوی سطح تک کتابوں کا بوجھ کم کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ ملک کے سب بچوں کے لئے تعلیم کے انتظام کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی لازمی ہے کہ بچوں کی تعلیم کا سلسلہ درمیان میں ختم نہ ہوجائے اور اس سلسلے کی جو رکاوٹیں ہیں ان کو دور کردیا جائے۔ ●●

تاریخ کا ورق

# زیادہ سخی کون؟

ہیثم بن عدی کہتے ہیں کہ تین افراد کا بیت اللہ میں اس بات پر اختلاف ہوگیا کہ اس دور کا سب سے بڑا سخی کون ہے؟ ایک نے کہا: "عبداللہ بن جعفرؓ ہیں"۔ دوسرا بولا: "قیس بن سعد بن عبادہؓ ہیں"۔ تیسرا بولا: "نہیں، اعرابہ اوسیؓ ہیں"۔ گفتگو نے طول کھینچا، ہر ایک اپنے اپنے حق میں دلائل دے رہا تھا حتیٰ کہ آوازیں بلند ہونا شروع ہوگئیں، کچھ لوگ بھی اکٹھے ہوگئے۔ ان میں سے ایک شخص بولا: "بھائیو! کیوں لڑائی کرتے ہو؟ ایسا کرو کہ ہر شخص اپنے اپنے پسندیدہ شخص کے پاس چلا جائے، اس سے کچھ مانگے اور جو کچھ ملے، وہ آکر یہاں بتا دے، پھر اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ بڑا سخی کون ہے؟" عبداللہ بن جعفرؓ کا عقیدت مند ان کے گھر گیا اور ان سے کہا: "اللہ کے رسولؐ کے بھتیجے! میں مسافر ہوں اور زاد راہ ختم ہے، مدد کا طلب گار ہوں"۔ عبداللہ بن جعفرؓ اس وقت گھوڑے پر سوار کہیں جانے کے لئے تیار تھے۔ اسی وقت گھوڑے سے نیچے اترے اور فرمایا: "گھوڑے کی رکاب پر پاؤں رکھو اور اس پر سوار ہوجاؤ، اب یہ تمہارا ہے۔ اس کے ساتھ ایک تھیلا بھی ہے۔ اس میں جو کچھ ہے وہ بھی تمہارا ہے اور ہاں، اس میں ایک تلوار بھی ہے، اس کو معمولی نہ سمجھنا یہ سیدنا حضرت علیؓ کی تلوار ہے"۔ جب وہ خوبصورت سا گھوڑا لے کر اپنے دوستوں کے پاس واپس آیا اور تھیلا کھولا تو اس میں چار ہزار دینار اور ریشمی چادریں تھیں۔ اور ان سب پر مستزاد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار تھی۔

قیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدت مند جب ان کے گھر گیا تو وہ سوئے ہوئے تھے۔ لونڈی نے پوچھا: "تمہاری ضرورت کیا ہے؟" اس نے کہا: مسافر ہوں اور زاد راہ ختم ہوگیا ہے"۔ لونڈی نے کہا: "تمہاری اس معمولی حاجت کے لئے آقا کو اٹھانا اچھی بات نہیں۔ یہ تھیلی پکڑو اس میں سات سو دینار ہیں، اس وقت قیس کے گھر میں یہی کچھ موجود ہے۔ گھر کے ساتھ ہی حویلی میں اونٹ بندھے ہوئے ہیں۔ اپنی مرضی کا اونٹ پسند کرلو اور ایک غلام کو اپنی خدمت کے لئے لے کر سفر پر روانہ ہوجاؤ"۔

تھوڑی دیر کے بعد قیسؓ بھی اٹھ بیٹھے۔ لونڈی نے ان سے قصہ بیان کیا۔ کہنے لگے: "بہتر تھا کہ مجھے اٹھا لیتی اور میں خود اس کی حاجت پوری کرتا، نہ معلوم جو کچھ تم نے اسے دیا ہے، اس کی ضرورت کے مطابق ہے یا نہیں۔ تاہم تم نے جو اچھا کام کیا اس کے بدلے میں تم کو آزاد کرتا ہوں"۔ ادھر عرابہ اوسیؓ کا عقیدت مند بھی ان کے گھر جا پہنچا۔ اس وقت نماز کا وقت ہوچکا تھا، عرابہؓ بوڑھے تھے اور نابینا ہوچکے تھے۔ نماز کے لئے گھر سے نکل رہے تھے۔ دو غلاموں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ اس آدمی نے کہا: "اے اعرابہ! میری بات سنیں گے؟" اعرابہ بولے: "بولو کیا کہتے ہو؟" کہنے لگا: "مسافر ہوں اور میرا زاد راہ ختم ہوگیا ہے"۔ عرابہؓ نے اپنے دونوں ہاتھ غلاموں کے کندھوں سے ہٹائے اور بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر زور سے مارا اور کہنے لگے "اعرابہ نے اپنا تمام مال و دولت خرچ کردیا ہے مگر یہ دو غلام باقی ہیں۔ تم ان دونوں کو لے جاؤ۔ اب یہ تمہارے ہوگئے"۔ اس آدمی نے کہا: "حضرت! ایسے کیسے ہوسکتا ہے۔ آپ خود ضرورت مند ہیں۔ میں ان کو نہیں لوں گا"۔ اعرابہ کہنے لگے: "سنو! اب یہ تمہارے ہیں اور اگر تم نہیں لیتے تو بھی ان دونوں کو آزاد کرتا ہوں۔ اگر تم چاہو تو لے لو، چاہو تو انکار کردو"۔ یہ کہنے کے بعد آگے بڑھے، دیوار کا سہارا لیا اور اسے ٹٹولتے ہوئے مسجد کی طرف چل دیے۔ اس شخص نے ان دونوں غلاموں کو ہمراہ لیا اور اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آگیا۔

تینوں دوست پھر سے اکٹھے ہوئے، ہر ایک نے اپنے عطیے اور سلوک کا ذکر کیا اور ان تینوں کی تعریف کی کہ بلاشبہ یہ تینوں بہت سخی ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے ہیں۔ اب رہا یہ فیصلہ کہ سب سے بڑا سخی کون ہے؟ تو یہ فیصلہ اعرابہ اوسیؓ کے حق میں ہوا کیونکہ انھوں نے تنگ دستی کے باوجود جو پایا خرچ کردیا۔

(البدایہ والنہایہ، جلد ۱۱)

POSTED ON 14 January 2009 AT DELHI R.M.S. LICENCE NO. U (D.N.) 41/2006-08 TO POST WITHOUT PRE PAYMENT PAGES-8.

۱۶ر جنوری ۲۰۰۹ء

TELEGRAM : ADDAWAH NEW DELHI-110025
PHONES: Editor: 26958816, Manager: 26949539, Fax:26958816
E-mail:-dawaturdu@indiatimes.com, dawattrust@yahoo.co.in

DAWAT SEHROZA
NEW DELHI-110025

R.N.I. No.522/57
POSTAL REGISTRATION No.
DL (S) - 05 / 3128 / 2009 - 2011 & DL (S) - 05 / 3266 / 2006-08 (Foreign Post)

# تہذیبوں کے ٹکراؤ کے باوجود بوسنیا میں اسلام کا احیا

بوسنیا اور ہرزیگووینا میں چلی نسل کشی کی مہم میں تقریباً ایک لاکھ انسانی جانیں تلف ہوئیں جن میں اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ اس خونیں دور کے گزرنے کے تیرہ برس بعد بوسنیا میں ایک بار پھر اسلام کی شعاعیں پھیلنے لگی ہیں۔ روزنامہ نیویارک ٹائمز نے صحافی ڈان بلیفسکی کا 'بوسنیا میں اسلام کا احیاء' کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا ہے جس سے بلقان کے اس خطۂ ارض میں امید کی نئی کرن دیکھی جاسکتی ہے۔ جہاں مذہبی عقیدت اور وابستگی نیز سرشاری کا احساس پیدا ہورہا ہے۔ اس صورتحال سے صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ خطہ کے عیسائی اور یہودی بھی دوچار ہیں۔ ڈان بلیفسکی کے مضمون کے مطابق بوسنیا سے خونیں طوفان کے گزرنے کے بعد جب مطلع صاف ہوا تو اس سرزمین پر نصف درجن سے زائد نئے مدارس یا مذہبی ہائی اسکول قائم ہوگئے ہیں۔ ان کے علاوہ ۲۸ بلین ڈالر لاگت سے تعمیر ہونے والی شاندار کنگ فہد مسجد سمیت درجنوں مساجد کے میناروں سے بلند ہونے والی اذانیں فرزندگان توحید کو بارگاہ الٰہی میں پانچوں وقت بلاتی ہیں۔ رپورٹ کے مطابق نسلی تصادم سے قبل بوسنیا میں مسلم خواتین حجاب میں اور باریش مرد مسلمان شاذ ونادر ہی نظر آتے تھے لیکن آج جدھر نگاہ ڈالیں ایسے افراد کثرت میں نظر آتے ہیں۔ حالات میں حیرت انگیز طور پر تبدیلی آئی ہے۔ مسلمانوں نے اس تبدیلی کا کھلے دل سے خیرمقدم کیا ہے۔ کثیر نسلی آبادی والے اس ملک میں مسلمانوں کی تعداد ملک کی کل آبادی کا تقریباً نصف ہے۔

اس تبدیلی کا جہاں اکثریت نے خیرمقدم کیا ہے وہیں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اس تبدیلی کو بڑے تہذیبی ٹکراؤ کا پیش خیمہ قرار دے رہے ہیں۔ دو ماہ قبل کی ہی بات ہے کہ کچھ لوگوں نے ہم جنس پرستوں کی ایک تقریب پر حملہ کردیا تھا اور ان کو زدوکوب بھی کیا تھا۔ مسلمانوں کو شکایت تھی کہ بے راہ روی کے دلدادہ ان افراد نے ہم وطن مسلمانوں کے مذہبی جذبات کی پروا کئے بغیر دانستہ طور پر ہم جنس پرستوں کے 'گے فیسٹول' کا انعقاد رمضان کے مبارک ماہ کے دوران اس لئے کیا تھا تاکہ مسلمان اس سے مشتعل ہوں۔

●●

دعوت

پرنٹر، پبلشر خلیل احمد نے دعوت ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی جانب سے ایاائین آرٹ پرنٹرز قاسم جان اسٹریٹ بلیماران دہلی ۱۱۰۰۰۶ میں برائے دعوت آفسیٹ پرنٹرز چھپوا کر دفتر "دعوت" ڈی ۳۱۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

ایڈیٹر: پرواز رحمانی

اسسٹنٹ ایڈیٹر: شفیق الرحمٰن
سب ایڈیٹرس: محمد صبغۃ اللہ ندوی، عقیدت اللہ قاسمی
عمیر کوثی ندوی، اشرف علی بستوی

## ضرورت رشتہ

انصاری گھرانے کی خوبصورت وخوب سیرت لڑکیوں، قد پانچ فٹ پانچ انچ، تعلیم بی اے، عمر ۲۲ سال، وقد پانچ فٹ چار انچ، تعلیم ایم اے، عمر ۱۹ سال کے لئے رشتے مطلوب ہیں۔ الٰہ آباد پرتاپ گڑھ، سلطان پور و نواحی اضلاع کے برسر روزگار رشتے قابل ترجیح ہوں گے۔

Box No. 1619
C/o Sehroza Dawat
Dawat Nagar, D-314,
Abul Fazl Enclave,
Jamia Nagar, New Delhi-25

# ملت اسلامیہ کو حالات سے سبق لینے کی ضرورت

مولانا اسرار الحق قاسمی

○

نہتے فلسطینیوں پر اسرائیلی درندگی ہر لمحہ شدت اختیار کرتی جارہی ہے۔ غزہ میں ہر طرف معصوم افراد کا خون بہہ رہا ہے، جوانوں اور بوڑھوں کے علاوہ کثیر تعداد میں بچوں اور عورتوں کی لاشوں کے دردناک مناظر ہر سو نظر آرہے ہیں۔ جو زندہ ہیں ان پر موت کا خوف سوار ہے کہ نہ جانے کب میزائلوں، طیاروں اور خطرناک ہتھیاروں کے ذریعہ کیے جانے والے اسرائیلی حملوں میں ان کی موت واقع ہوجائے۔ فلسطین کے لاکھوں انسان نہ گھروں میں محفوظ ہیں، نہ اسپتالوں میں، نہ سرکاری عمارتوں میں اور نہ ہی کھلے میدانوں میں۔ کیونکہ ہر جگہ اسرائیلی درندگی کا ننگا ناچ جاری ہے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ بھی اسرائیلی حملوں سے خوف زدہ ہیں جو شہیدوں کے جنازے کو لے کر قبرستان کی طرف رخ کرنے کی ہمت کرتے ہیں۔ کیونکہ اسرائیل جنازہ لے جانے والے زندہ لوگوں پر بھی حملے کرکے متعدد افراد کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہے۔ اسرائیل کی اس حد تک سفاکیت کے پیش نظر تدفین کے عمل کو بھی خطرے سے خالی نہیں کہا جاسکتا۔ چنانچہ بعض مقامات پر لاشوں کے انبار لگنے شروع ہوگئے ہیں۔ وہاں کا منظر اتنا دردناک ہے کہ تصور سے ہی جسم پر لرزہ طاری ہوتا ہے اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امنڈ پڑتا ہے۔ جوں جوں وقت بڑھتا جارہا ہے، تیزی سے لاشوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ فلسطینی عوام اگرچہ پہلے بھی اس طرح کے دل دہلا دینے والے مناظر دیکھتے رہے ہیں تاہم چند دن کے اندر اتنی بڑی تعداد میں انسانی لاشوں کو وہ یقیناً مدتوں بعد دیکھ رہے ہوں گے۔

اس صورت حال سے ساری دنیا کے مسلمانوں میں سخت غم وغصہ دکھائی دے رہا ہے۔ انہیں نہ صرف مظلوم فلسطینیوں پر گزرنے والے کربناک حالات پر دکھ ہورہا ہے بلکہ اسرائیلی جارحیت اور اس پر عالمی برادری کی خاموشی پر بھی انہیں غصہ آرہا ہے۔ اسی لیے وہ دنیا بھر میں جگہ جگہ صدائے احتجاج بلند کرتے دکھائی دے رہے ہیں۔ وہ نہ صرف اقوام متحدہ سے انصاف کا مطالبہ کررہے ہیں بلکہ اپنی اپنی حکومتوں سے بھی فلسطینی عوام کی امداد اور ظالم اسرائیل سے تعلقات کے منقطع کرنے کی اپیل کررہے ہیں، مگر ان کی آواز صدا بصحرا ثابت ہورہی ہے۔ نہ اس کا اثر عالمی برادری پر دکھائی دے رہا ہے اور نہ ہی ان کی آواز پر ان کی حکومتیں توجہ دے رہی ہیں۔ مسلم ممالک کی حکومتیں اور زیادہ اس معاملے میں بے حسی کا مظاہرہ کررہی ہیں۔ اگر بات فلسطین کے پڑوسی ممالک اور عرب ملکوں کی جائے تو وہاں تو مسلمانوں کو اسرائیلی سفاکیت پر صدائے احتجاج بلند کرنے سے بھی ڈر لگتا ہے۔ کیونکہ یہ حکومتیں امریکہ تو کیا اسرائیل کے خلاف بھی کچھ بولنے کی اپنے شہریوں کو اجازت نہیں دیتیں۔ کہتے ہیں کہ اگر کسی کو کوئی مصیبت آتی ہے تو سب سے پہلے پڑوسی کام آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں پڑوسی کو بڑا مقام دیا گیا ہے لیکن لگتا ہے کہ پڑوسی عرب حکمراں اس احساس سے بھی محروم ہوچکے ہیں۔ غالباً وہ صرف امریکہ کے صدر سے فون پر بات کرکے اسرائیلی حملوں کو رکوانے کی درخواست کرنے کو کافی سمجھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنا حق اور فریضہ منصبی ادا کردیا۔ تعجب بھی ہوتا ہے اور دکھ بھی کہ عرب حکام کو یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ حملے رکوانے کے لیے کس سے درخواست کررہے ہیں۔ اس امریکہ سے جو خود اسرائیل کی پشت پناہی کررہا ہے اور اسی کے اشاروں پر اسرائیلی درندگی تمام حدوں کو پار کررہی ہے۔ قاتل کی حمایت کرنے والے سے رحم کی درخواست بے سود ہے۔ البتہ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی ملک فلسطین کی حمایت اور اسرائیل کی مخالفت میں قدم اٹھانا بھی چاہے تو اس کو ایسا کرنے سے پہلے بار بار سوچنا پڑے گا۔ اس لیے کہ اس صورت میں اس کا مقابلہ جدید ٹکنالوجی اور ایٹمی طاقت سے لیس اسرائیل سے ہی نہیں ہوگا بلکہ بعض دیگر مغربی ممالک سے بھی ہوسکتا ہے۔ موجودہ تناظر میں یہ بات بڑی مشکل معلوم ہوتی ہے کہ اسرائیلی حملوں کے دفاع میں کوئی مسلم ملک آگے آئے اور امریکہ یا اس کے حلیف ممالک خاموش رہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ رواں صدی میں مسلمانوں اور مسلم ملکوں کو حد درجہ بے بس ولاچار بنادیا گیا ہے۔ چنانچہ اب اسرائیل کسی مسلم ملک پر حملہ کرے یا امریکہ یا کوئی اور ملک، دوسرے مسلم ممالک کو ہر حال میں خاموشی اختیار کرنی پڑے گی۔ جیسا کہ فی الوقت اسرائیل کی شدید ترین جارحیت کے باوجود بھی پچاس سے زائد مسلم حکومتیں خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ 2003 میں جب امریکہ نے عراق پر حملہ کیا تھا تب بھی مسلم ممالک نے خاموش رہنے کو ہی اپنے حق میں بہتر سمجھا تھا اور جب 2001 میں افغانستان پر امریکہ کے ذریعہ چڑھائی کی گئی تھی تو بھی مسلم ممالک نے چون وچرا نہیں کی تھی۔ یہی صورت حال اس وقت بھی سامنے آئی جب 2006 میں اسرائیل نے لبنان پر کلسٹر بموں کی برسات کرکے ہزاروں بے قصور افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ اگر آگے بھی اسرائیل، امریکہ یا کوئی اور مغربی ملک کسی مسلم ملک پر حملہ آور ہوتا ہے تب بھی دیگر تمام مسلم ممالک خاموش تماشائی بنے رہیں گے۔ گویا کہ اس طرح یکے بعد دیگرے مسلم ملکوں کو نشانہ بنایا جاتا رہے گا، ان گنت مسلمانوں کا خون بہایا جاتا رہے گا مگر کوئی ان کی مدد کو نہیں آئے گا۔ جب مسلم ممالک اپنے پڑوسی مسلم ممالک کی مدد کے لیے آگے نہیں آئیں گے تو دوسرے ممالک سے مدد کی کیسے امید کی جاسکے گی۔ ایسے نازک حالات میں یہ خدشہ بے جانہ ہوگا کہ آنے والا وقت مسلم ملکوں و مسلمانوں کے لیے اور زیادہ خطرات سے پُر اور مشکل ہوسکتا ہے۔ ایسے میں یہ سوال انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ اپنی بربادی کا ماضی اور حال میں تماشہ دیکھ کر بھی کیا ملت اسلامیہ کو اپنے مستقبل کی فکر دامن گیر نہیں ہوگی، کیا وہ اپنی بربادی وتباہی پر سمجھوتہ کرچکی ہے یا پھر ملت اسلامیہ کے افراد آنے والے سخت حالات کا رخ موڑنے کے لیے سنجیدگی سے غوروفکر کریں گے۔ تاکہ صہیونی وطاغوتی طاقتوں کے ہاتھوں سے مسلمانوں کو مزید تباہی سے نجات دلائی جاسکے۔ حالات اور مسلم حکمرانوں کی موجودہ نقل وحرکت سے تو ایسا لگتا ہے کہ ہنوز اس بابت مسلمانوں کے حکمراں طبقے میں احساس پیدا نہیں ہوا ہے اور وہ آگے بھی خواب غفلت یا احساس کمتری میں رہنا چاہتے ہیں۔

موجودہ حالات میں ملت اسلامیہ خصوصاً مسلم حکمراں طبقے کے لیے دو باتیں بہت زیادہ اہم ہیں۔ ایک یہ کہ وہ احساس کمتری سے باہر آئیں اور اپنے کو مجبور محض نہ سمجھیں۔ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ جب مسلمان انتہائی قلیل مدت میں تھے اور ان کے گرد خطرات اس قدر بڑھ گئے تھے کہ ان کے وجود تک کا چراغ ٹمٹماتا ہوا نظر آرہا تھا لیکن بلند فکر رکھنے والے مسلمانوں نے جرأت وبیداری کا ثبوت دے کر مسلمانوں پر آنے والی تیز وتند آندھیوں کا رخ موڑ دیا۔ ایسا تاریخ میں کئی بار ہوا ہے۔ اگر مسلمان اپنی ایمانی طاقت کا سہارا لیں تو تاریخ کو ایک بار پھر دوہرایا جاسکتا ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ مسلمان ہر شعبہ میں آگے بڑھیں۔ معاشیات، سماجیات، سیاسیات، لسانیات، اخلاق، مذہب وروحانیت، ٹکنالوجی، تعلیم، جدید وسائل کا مثبت استعمال اور ذرائع ابلاغ جیسے میدانوں میں جوہر دکھائیں۔ کیونکہ اسلام دشمن طاقتیں نہ صرف ہتھیاروں اور ٹکنالوجی کے میدان میں مضبوط ہیں بلکہ وہ تعلیم، ذرائع ابلاغ اور وسائل سے بھی آراستہ ہیں۔ یہ وقت غوروفکر اور سبق حاصل کرنے کا ہے، خواب غفلت میں پڑے رہنے یا باہم اختلافات سے دوچار ہونے کا نہیں۔

●●

## ضرورت معلمین ومعلمات

**جامعة الطيبات** طوئی اعظم گڑھ، مشرقی یوپی میں مسلم بچیوں کی ایک معروف دینی درس گاہ ہے۔ اس کا نصاب تعلیم ملک کے معروف دینی اداروں کے نصاب سے ماخوذ ہے۔ جس میں دینی تعلیم کے ساتھ عصری مضامین بھی شامل ہیں۔ بچیوں کی ضرورت کے پیش نظر امور خانہ داری کی عملی ونظریاتی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

**جامعة الطيبات** میں درجہ پرائمری سے درجہ فضیلت تک کی تعلیم کا معقول بندوبست ہے۔

جامعہ میں درج ذیل اسامیوں کے لئے درخواستیں مطلوب ہیں

(۱) مہتمم: کسی معروف دینی درسگاہ سے فارغ التحصیل، اصلاحی اور فلاحی قابل ترجیح ہوں گے۔
☆ کم از کم دس سالہ انتظامی وتدریسی تجربہ ہو ☆ عمر چالیس سال سے اوپر ہو
(۲) معاون پرنسپل: (خاتون) جو درجہ فضیلت تک کے مضامین پڑھا سکیں۔
(۳) معلمات برائے شعبۂ عربی — نحو وادب — ۴
(۴) معلمین برائے شعبۂ پرائمری — اُردو، ہندی، ریاضی — ۴
(۵) معلمہ برائے انگریزی، ہائی اسکول وانٹرمیڈیٹ — ۱

معقول مشاہرہ کے علاوہ قیام وطعام کی سہولت جامعہ کی طرف سے مفت فراہم کی جائے گی۔
جامعہ میں قیام کے خواہش مندوں کو ترجیح دی جائے گی۔

ابوعبید خاں
ناظم جامعۃ الطیبات، طوئی، فون نمبر 05460-288092

## دلت مسئلہ: جڑ میں کون؟
## दलित समस्या जड़ में कौन?

وشو ہندو پریشد کے رہنما اشوک سنگھل کا الزام ہے کہ:
"دلت سمسیا اسلامی حملہ آوروں کی پیداوار ہے" اور
"چھوت چھات اسلام کی دین ہے"

اس کتاب میں مصنف نے امت مسلمہ ہند کی جانب سے فرض کفایہ ادا کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہوئے "دلت سمسیا: جڑ میں کون؟" مرتب کرکے غلط فہمیاں پھیلانے والوں کا بھرپور جواب دیا، ہندوستان میں دلت سمسیا پیدا کرنے کے حقیقی ذمہ داروں کو بے نقاب کیا، اور ان سے ۲۳ چبھتے ہوئے سوالات کئے جو ہنوز جواب کے منتظر ہیں! کتاب میں اس حق کا اظہار بھی کیا گیا ہے کہ دلت سمسیا کا حقیقی حل کل بھی اسلام تھا اور آج بھی اسلام ہی ہے۔

دلتوں کے مسائل وحقوق، درد واضطراب، اُن پر ظلم وستم اور ان کے ردعمل کو مربوط طور پر پیش کرنے والی عظیم ہندی تحقیق دلت سمسیا: جڑ میں کون؟ ضرور پڑھیے، تاکہ عصری فتنوں سے آگاہی بھی رہے اور اس کے سدباب کی صورتوں پر غور بھی کرسکیں، دلت دوستوں اور ملاقاتیوں کو پیش کرنے کے لئے بہترین تحفہ۔ اہل قلم، دانشوروں، ممتاز شخصیات اور اخبارات ورسائل نے کتاب کا گرم جوشانہ استقبال کیا۔

مصنف: انتظار نعیم

☆ ہندی ایڈیشن Rs.100/- ☆ اردو ایڈیشن Rs.140/-

مدھر سندیش سنگم

E-20، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی 25 فون 26953327, 26925156 فیکس 23276741

## قادری دواخانہ کی کامیاب ترین یونانی دوائیں

DIAL
033-2469-3173
033-2489-3539

گھٹیا کے درد میں؟

کسی بھی قسم کے درد چوٹ موچ۔ گھٹیا۔ جلنے کٹنے اور بچوں کی مالش میں بہت ہی مفید ہے۔

زعفرانی تیل®

گیسٹک کے درد میں

قبض ٹروجن

بدہضمی، بھوک کی کمی، درد جگر، قبض، سینے کی جلن اور پیٹ کے جملہ امراض میں بہت ہی مفید ہے

Qadri Dawakhana
B-18, NAWAB WAJID ALI SHAH ROAD, KOLKATA - 24,
DISTRIBUTORS:
DARYA BADI DAWAKHANA 393, E. R. Road, Pydhonie, Mumbai - 400 003 Ph: 022-2341-1957,
RELAX ENTERPRISES 3416, Bahishti Wada, No.1, Dhule, - 424 001 Ph: 02562-236952

## دماغین برین ٹانک

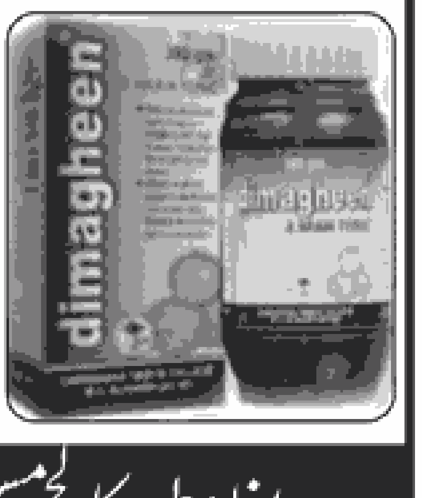


(۱) دماغین ہر عمر کے ذہنی وجسمانی طور سے مصروف لوگوں کے لئے مددگار ہے
(۲) دماغین میں دوائی وغذائی اجزاء سے بھرپور مشہور پھل آملہ جزء اعظم کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ جس میں وٹامن "سی" سب سے زیادہ اور ساتھ میں کیلشیم اور فولاد بھی پایا جاتا ہے۔
(۳) دماغین یکسوئی کو بڑھاتا ہے۔ اور تھکان کم کرتا ہے۔
(۴) دماغین منہ کی بدبو کو دور کرتا ہے اور ہضم کی اصلاح کرتا ہے۔
(۵) دماغین خوش ذائقہ تازگی وتوانائی سے بھرپور ایک یونانی دوا ہے۔

دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

कौमी काउन्सिल बराए फ़रोग़े उर्दू ज़बान
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
NATIONAL COUNCIL FOR PROMOTION OF URDU LANGUAGE
Ministry of Human Resource Development (Department of Higher Education), Govt. of India

## فنکشنل عربی میں قومی اردو کونسل کا ایک سالہ ودوسالہ فاصلاتی کورس

### رجسٹریشن 28 فروری 2009 تک

★ روزمرہ استعمال ہونے والی عربی زبان اور عربی پڑھنے والے طالب علموں کو معاصر تقاضوں سے جوڑنے کی ایک بڑی کوشش
★ باوقار روزگار کے مواقع کی تیاری میں آسانی کی غرض سے ان کورسیز کو عربی شارٹ ہینڈ اور کمپیوٹر پیکیج سے جوڑنے کی کوشش

### سرٹیفکیٹ ان فنکشنل عربک (Session: 2009-2010)
(Certificate in Functional Arabic)

**اہلیت:** اردو کی بنیادی تعلیم مع قواعد۔ عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔
**فیس:** طالب علم فارم اور رجسٹریشن کے لیے -/200 روپے یا اس کا ڈرافٹ کونسل کے مندرجہ ذیل کسی بھی عربی سرٹیفکیٹ اسٹڈی سینٹر پر جمع کرسکتے ہیں۔
**کورس کی میعاد:** ایک سال۔ طالب علم ہر پانچ ماہ کے بعد اختبارات کونسل کے اسٹڈی سینٹر پر جمع کریں گے۔ سال کے اختتام پر ایک پرچہ پر مشتمل فائنل امتحان کونسل کے منظور شدہ اسٹڈی سینٹر پر کونسل کی طرف سے لیا جائے گا۔ مجموعی کامیابی کے بعد ہی کونسل کی طرف سے کامیاب طالب علم کو "Certificate in Functional Arabic" کا سرٹیفکیٹ دیا جائے گا۔ کونسل سے براہ راست سرٹیفکیٹ کورس کرنے کی بھی سہولت ہے۔ براہ راست کورس کرنے کے لیے -/500 روپے کا ڈرافٹ "NCPUL, Payable at New Delhi" کے نام بنا کر کونسل میں جمع کرسکتے ہیں۔ تفصیل کے لیے رابطہ قائم کریں۔

### ڈپلومہ ان فنکشنل عربک (Session: 2009-2011)
(Diploma in Functional Arabic)

**اہلیت:** عربی کی ابتدائی تعلیم مع قواعد۔ اس کے علاوہ عربی لکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت بھی لازمی ہے۔ عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔
**فیس:** طالب علم فارم اور رجسٹریشن کے لیے -/200 روپے یا اس کا ڈرافٹ کونسل کے مندرجہ ذیل کسی بھی عربی ڈپلوما اسٹڈی سینٹر پر جمع کرسکتے ہیں۔
**کورس کی میعاد:** دوسال۔ طالب علم ہر پانچ ماہ کے بعد اختبارات کونسل کے اسٹڈی سینٹر پر جمع کریں گے۔ دوسال کے اختتام پر ایک پرچہ پر مشتمل فائنل امتحان کونسل کے منظور شدہ اسٹڈی سینٹر پر کونسل کی طرف سے لیا جائے گا۔ مجموعی کامیابی کے بعد ہی کونسل کی طرف سے کامیاب طالب علم کو "Diploma in Functional Arabic" کا سرٹیفکیٹ دیا جائے گا۔

**کنٹیکٹ کلاس:** دونوں کورسیز کے لیے کونسل کے اسٹڈی سینٹر میں عربی بول چال میں مہارت کی غرض کی تکمیل کے لیے کنٹیکٹ کلاس کی سہولت ہوں گی جس میں طالب علم کی حاضری لازمی ہے۔
**نوٹ:** اسٹڈی سینٹر کے انچارج ان دونوں کورسیز کے الگ الگ، مگر مجموعی ڈرافٹ "NCPUL, Payable at New Delhi" کے نام رجسٹریشن فارم کے ساتھ قومی اردو کونسل نئی دہلی کو رجسٹر پوسٹ سے ارسال کریں۔ رجسٹریشن کے بعد تعداد کے مطابق کورس میٹریل ارسال کئے جائیں گے۔

ڈاکٹر علی جاوید
(ڈائرکٹر)

اسٹڈی سینٹرس کے نام، پتے اور دیگر تفصیلات کے لئے ہماری ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in ملاحظہ کریں
یا درج ذیل پتہ پر رابطہ کریں

ایجوکیشن سیل، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک۔8، ونگ۔7، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی۔ 110066
فون: 26169416, 26109746 فیکس: 26108159 ای میل: ncpularabicsection@gmail.com

ننھے منے بچوں کے لئے انگلش سکھانے کی درسی کتاب

Systematic ABC English Reader
باتصویر، آسان اور مفید تمرین بھی

آج ہی حاصل کریں

ناشر البدر بک سینٹر
مہاجنی ٹولہ، سرائے میر، اعظم گڑھ، یوپی 9839591434

## ترجمۂ قرآنِ مجید (انگریزی)
## Towards Understanding The Qur'an

از: مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ
انگریزی ترجمہ: ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری

مفکر اسلام حضرت مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے شہرۂ آفاق اور عام وخاص طبقے میں یکساں مقبول وپسندیدہ اردو ترجمۂ قرآن مجید مع مختصر حواشی کا عام فہم، سلیس اور شگفتہ انگریزی ترجمہ۔
بڑے سائز: (۲۳×۳۶/۱۶) کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد شائقین کی بے حد خواہش اور اصرار پر چھوٹے سائز (Pocket Size) ڈی لکس میں بھی شائع ہوگیا ہے۔
آخر میں موضوعات کی فہرست بھی درج ہے۔

سائز: ۲۳×۳۶/۳۲ ● صفحات: ۱۳۶۰ ● ہدیہ: Rs.200/-

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی۔ ۲۵
Post Box. 9752, Jamia Nagar, New Delhi-110 025
Phones: 26971652, 26954341, Fax: 26947858
E-mail: mmipublishers@gmail.com Website: www. mmipublishers.net